خلافت

حزب التحریر

خلافت

خلافت اسلامی شریعت کے احکامات کو نافذ کرنے اور پوری دنیا کے سامنے اسلام کی دعوت کو پیش کرنے کے لیے تمام مسلمانوں کی حکومتِ عامہ کا نام ہے۔ اسی کا دوسرا نام امامت ہے۔ پس خلافت اور امامت کے ایک ہی معنی ہیں اور صحیح احادیث میں یہ دونوں الفاظ (اصطلاحات) ایک ہی معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔ کسی بھی شرعی نص یعنی قرآن اور سنت میں ان دونوں لفظوں میں سے کسی ایک کے معنی دوسرے سے مختلف نہیں۔ کیونکہ شرعی نصوص (قران وسنت) نے دونوں کو ایک ہی قرار دیا ہے۔ لفظ 'امامت' یا 'خلافت' کی لفظی پابندی ضروری نہیں، بلکہ ان کے مفہوم کی پابندی فرض ہے۔ خلافت کو قائم کرنا پوری دنیا کے تمام مسلمانوں پر فرض ہے اور اس کا قیام اُن دوسرے فرائض کی ادائیگی کی طرح فرض ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے سب مسلمانوں پر فرض کیا ہے۔ یہ ایک حتمی (لازمی) فریضہ ہے جس میں کوئی اختیار اور کسی قسم کی سستی کی کوئی گنجائش نہیں اور خلافت کے قیام میں کوتاہی کرنا ان عظیم گناہوں میں سے ایک گناہ کا ارتکاب کرنا ہے، جو قیامت کے دن اللہ کے سخت عذاب کا موجب ہوں گے۔ خلیفہ کے تقرر کے تمام مسلمانوں پر فرض ہونے کی دلیل کتاب اللہ، سنتِ رسول ﷺ اور اجماعِ صحابہؓ سے ثابت ہے۔

جہاں تک کتاب اللہ کا تعلق ہے، تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا ہے کہ مسلمانوں کے درمیان اللہ کے نازل کردہ احکامات کے مطابق فیصلہ کریں اور اس بات کا حکم حتمی انداز میں (یعنی طلبِ جازم کے ساتھ) دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُم عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ﴾

پس آپ ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکامات کے مطابق فیصلہ کریں، اور جو حق آپ کے پاس آ چکا ہے، اس کے مقابلے میں ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے گا'' (المائدة: 48)

اور ارشاد فرمایا:

﴿وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ هُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْ م بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ﴾

''اور یہ کہ (آپ ﷺ) ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکامات کے مطابق فیصلہ کریں، اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے گا۔ اور ان سے محتاط رہیں کہ کہیں یہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ بعض احکامات کے بارے میں آپ کو فتنے میں نہ ڈال دیں۔'' (المائدة: 49)

رسول ﷺ سے خطاب امت کے لیے بھی ہے جب تک کہ کوئی ایسی دلیل موجود نہ ہو جو بیان کرے کہ یہ خطاب صرف آپ ﷺ ہی کے لیے ہے۔ اور یہاں ایسی تخصیص کی کوئی دلیل موجود نہیں۔ چنانچہ یہ خطاب تمام مسلمانوں کے لیے بھی ہے کہ وہ اسلام کے احکامات کو نافذ کریں۔ اور خلیفہ کے قیام سے مراد بھی یہی ہے کہ حکومت اور اتھارٹی (شرعی اختیار) کا حامل شخص مقرر کیا جائے۔

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے اولوالامر (صاحبِ اقتدار) کی اطاعت کو بھی مسلمانوں پر فرض کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا اولوالامر ہونا چاہیے۔ ارشاد ہے:

﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾ (النساء: 59)

''اے ایمان والو! اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے اہلِ امر (حکمرانوں) کی بھی۔

اللہ تعالیٰ کبھی بھی اس شخص کی اطاعت کا حکم نہیں دیتا جس کا وجود ہی نہ ہو۔ چنانچہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اولوالامر کا ہونا ضروری ہے۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے اولوالامر کی اطاعت کا حکم دیا تو اس کے وجود کا حکم تو ضرور دے چکے ہیں۔ کیونکہ اولوالامر کے وجود پر شرعی حکم کا دارومدار ہے اور اس کے نہ ہونے کی صورت میں شرعی حکم ضائع ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس کا ہونا فرض

ہے۔ کیونکہ اس کے عدم وجود کی صورت میں حکمِ شرعی ضائع ہوتا ہے، جو کہ حرام ہے۔

جہاں تک سنت کی بات ہے، تو مسلم نے نافع سے روایت کیا کہ مجھ سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

(مَن خَلَعَ يَدًا مِّنْ طَاعَةٍ ، لَقِيَ اللّٰهَ يومَ القِيَامَةِ ، لاحُجَّةَ لَهُ ، وَمَن مَاتَ وَلَيسَ فِي عُنُقِهِ بَيعَةٌ ، مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً)

''جو شخص (امیر کی) اطاعت سے اپنا ہاتھ کھینچ لے تو قیامت کے دن وہ اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملے گا کہ اس کے پاس اپنے اس عمل کا کوئی جواز نہ ہوگا۔ اور جو کوئی اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں بیعت کا طوق نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔''

نبی ﷺ نے ہر مسلمان پر یہ فرض کیا کہ اس کی گردن میں بیعت کا طوق ہو اور جو اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں بیعت کا طوق نہیں تو گویا وہ جاہلیت کی موت مرا۔ اور شرعی بیعت صرف اور صرف خلیفہ کی ہو سکتی ہے اس کے علاوہ اور کسی کی نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرض قرار دیا کہ ہر مسلمان کی گردن میں خلیفہ کی بیعت کا طوق ہو، یہ نہیں فرمایا کہ ہر ایک مسلمان خلیفہ کی بیعت کرے۔ چنانچہ فرض صرف ہر مسلمان کی گردن میں بیعت کے طوق کا ہونا ہے، یعنی ایسے خلیفہ کا ہونا کہ جس کی بیعت کی جائے۔ خلیفہ کے موجود ہونے سے ہر مسلمان کی گردن میں بیعت کا طوق ہوتا ہے، چاہے وہ بالفعل بیعت نہ بھی کرے۔ چنانچہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جو چیز فرض ہے وہ خلیفہ کا تقرر کرنا ہے نہ کہ ہر فرد کا ذاتی طور پر اس کی بیعت کرنا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے جس چیز کی مذمت کی ہے، وہ ہے مسلمان کی گردن کا موت تک بیعت (خلیفہ) سے خالی ہونا، نہ کہ ہر بیعت کا نہ کرنا۔

اسی طرح مسلم نے اعرج سے اور انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(إِنَّمَا الاِمَامُ جُنَّةٌ يُقَاتَلُ مِن وَّرَائِهِ وَيُتَّقٰى بِهِ)

''بے شک خلیفہ ڈھال ہے جس کے پیچھے رہتے ہوئے لڑا جاتا ہے اور اسی کے ذریعے تحفظ حاصل ہوتا

ہے۔"

مسلم نے ابوحازم سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: "میں پانچ سال تک ابو ہریرہ ﷛ کی صحبت میں رہا، میں نے انہیں نبی ﷺ کا یہ قول بیان کرتے ہوئے سنا:

(كَانَتْ بَنُوْ اِسرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الانَبِيَاءُ ، كُلَّمَاهَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ، وَاِنَّهُ لا نَبِيَّ بَعدِى ، وَسَتَكُونُ خُلَفَاءُ فَتَكثُرُ ، قَالُوا: فَمَا تَأمُرُنَا؟ قَالَ: فُوْا بِبَيْعَةِ الاوَّلِ فَالاوَّلِ، وَاعُطُوهُم حَقَّهُم ، فَاِنَّ اللّٰهَ سَائِلُهُم عَمَّا استَرعَا هُمْ)

"بنی اسرائیل کی سیاست انبیاء کیا کرتے تھے۔ جب کوئی نبی وفات پاتا تو دوسرا نبی اس کی جگہ لے لیتا، جبکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے، البتہ بڑی کثرت سے خلفاء ہوں گے۔ صحابہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "تم ایک کے بعد دوسرے کی بیعت کو پورا کرنا اور انہیں ان کا حق ادا کرنا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان سے ان کی رعایا کے بارے میں پوچھے گا، جو اُس نے انہیں دی۔"

اور مسلم نے ابنِ عباس ﷛ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(مَن كَرِهَ مِنْ اَمِيرِهٖ شَيئًا فَليَصْبِرْ عَلَيهِ ، فَاِنَّهُ لَيْسَ اَحَدٌ مِّنَ النَّاسِ يَخْرُجُ مِنَ السُّلطَانِ شِبرًا ، فَمَاتَ عَلَيهِ ، اِلَّا مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً)

"جس نے اپنے امیر کی کسی چیز کو ناپسند کیا تو لازم ہے کہ وہ اس پر صبر کرے۔ کیونکہ لوگوں میں سے جس نے بھی امیر کی اتھارٹی سے بالشت برابر بھی خروج کیا اور وہ اسی حالت میں مرگیا، تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔"

ان احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہے کہ مسلمانوں کے حکمران ہوں گے اور ان میں خلیفہ کی یہ صفت بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ ڈھال یعنی حفاظت کا ذریعہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا خلیفہ یا امام کو ڈھال کہنا امام کی موجودگی کے فوائد بتانا ہے۔ چنانچہ اس میں طلب موجود ہے۔ کیونکہ اللہ اور رسول ﷺ کی طرف سے کسی چیز کی خبر اگر مذمت کے طور پر دی گئی ہو تو اس چیز کو ترک کرنا مطلوب

ہوتا ہے یعنی وہ ''نہی'' ہوتا ہے۔ اور اگر اس میں مدح (تعریف) ہو تو وہ عمل مطلوب ہوتا ہے۔ پس اگر وہ فعل مطلوب ہو اور اس پر کسی حکمِ شرعی کا انحصار بھی ہو اور فعل کے نہ کرنے کی صورت میں حکمِ شرعی کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو، تو یہ طلب، طلبِ جازم یعنی حتمی طلب ہے، یعنی ایسا فعل فرض ہوتا ہے۔ ان احادیث میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کے امور کی دیکھ بھال کرنے والے (سیاستدان) خلفاء ہی ہوں گے۔ اس کا مطلب ہے کہ یہاں خلیفہ کے قیام کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ اور ان احادیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ مسلمانوں کے لیے سلطان (شرعی اختیار کے حامل شخص) سے علیحدگی اختیار کرنا حرام ہے۔ اور اس امر کی طرف اشارہ بھی ہے کہ مسلمانوں پر اپنے لیے ایک ایسے سلطان (حکمران) کو مقرر کرنا واجب ہے جو ان پر اسلام نافذ کرے۔ اس کے علاوہ نبی ﷺ نے خلفاء کی اطاعت اور ان کی خلافت میں تنازع کرنے والوں سے قتال کا حکم دیا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ خلافت کو قائم کرنے اور اس کی حفاظت کرنے اور اس میں تنازع کرنے والوں کے خلاف جنگ کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ مسلم نے نبی ﷺ کی یہ حدیث روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

(وَمَنْ بَايَعَ اِمَامًا فَاَعْطَاهُ صَفْقَةَ يَدِهِ وَثَمَرَةَ قَلْبِهِ، فَلْيُطِعْهُ اِنِ اسْتَطَاعَ، فَاِنْ جَآءَ آخَرُ يُنَازِعُهُ فَاضْرِبُوا عُنُقَ الآخَرِ)

''اور جو شخص کسی امام (خلیفہ) کی بیعت کرے تو اسے اپنے ہاتھ کا معاملہ اور دل کا پھل دے دے (یعنی سب کچھ اس کے حوالہ کر دے)، پھر اسے چاہیے کہ وہ حسبِ استطاعت اس کی اطاعت بھی کرے۔ اگر کوئی دوسرا شخص آئے اور پہلے خلیفہ سے تنازعہ کرے تو دوسرے کی گردن اڑا دو۔''

امام کی اطاعت کا حکم اس کی اقامت کا حکم بھی ہے اور اس کے ساتھ جھگڑنے والے کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم اس بات کا واضح قرینہ (اشارہ) ہے کہ خلیفہ کے ہمیشہ ایک ہی ہونے کا حکم ایک حتمی حکم ہے۔

جہاں تک اجماعِ صحابہ کی بات ہے، تو تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد خلیفہ مقرر کرنے پر اجماع کیا اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر جمع ہو گئے، پھر وہ سب عمر

رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اوران کی وفات کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت پر جمع ہوئے۔ اس مسئلے پر اجماعِ صحابہ کی تاکید اس بات سے ظاہر ہوتی ہے کہ صحابہؓ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کا خلیفہ مقرر کرنے میں مصروف ہوگئے اورانہوں نے آپ ﷺ کی تدفین میں تاخیر کی۔ باوجودیکہ وفات کے بعد میت کو دفن کرنا فرض ہے، اور جن لوگوں پر اس میت کو دفن کرنا فرض ہے، ان کا تدفین سے پہلے کسی اور کام میں مشغول ہوجانا حرام ہے۔ چنانچہ جن صحابہ رضی اللہ عنہم پر آپ ﷺ کی تدفین فرض تھی، ان میں سے بعض خلیفہ کے تقرر میں مشغول ہوگئے جبکہ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس مشغولیت پر کسی قسم کا کوئی اعتراض نہیں کیا اور وہ سب دو راتوں کی تاخیر کے بعد رسول ﷺ کی تدفین میں شریک ہوئے۔ حالانکہ وہ انکار بھی کرسکتے تھے، اور آپ ﷺ کو دفن بھی کرسکتے تھے۔ تو یہ اجماع تھا میت کو بھی چھوڑ کر خلیفہ کے تقرر میں لگے رہنے پر۔ ایسا صرف اس وجہ سے ہوا کہ خلیفہ کا تقرر میت کی تدفین سے زیادہ اہم فرض تھا۔ نیز تمام صحابہؓ نے اپنی پوری زندگی کے دوران خلیفہ کے تقرر کی فرضیت پر اجماع کیا۔ پس اس بارے میں تو اختلاف ہوا کہ کون خلیفہ ہوگا، لیکن اس بات پر کبھی اختلاف نہیں ہوا کہ خلافت فرض بھی ہے کہ نہیں؟ نہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے موقع پر اور نہ کسی خلیفہ کی وفات کے وقت۔ چنانچہ خلیفہ کے تقرر کے بارے میں اجماعِ صحابہؓ ایک واضح اور مضبوط دلیل ہے۔

یہ بات طے شدہ ہے کہ دنیا اور آخرت سے متعلق زندگی کے ہر پہلو میں شرعی احکامات کو نافذ کرنا مسلمانوں پر فرض ہے۔ اس کی دلیل ثبوت اور معنی کے لحاظ سے قطعی ہے (یعنی قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ہے)۔ اور یہ نفاذ ایک صاحبِ اختیار حاکم کے بغیر ممکن نہیں۔ اور شرعی قاعدہ یہ ہے: (**ما لا یتم الواجب الا بہ فھو واجب**) ''جس چیز کے بغیر کوئی فرض ادا نہیں ہوتا وہ چیز بھی فرض ہے۔'' چنانچہ خلیفہ کے تقرر کی فرضیت اس جہت سے بھی ثابت ہے۔

یہ دلائل بڑے صریح اور واضح ہیں کہ مسلمانوں پر اپنے میں سے ایک سلطان اور اسلامی حکمرانی کو قائم کرنا فرض ہے۔ اور یہ دلائل اس مسئلہ پر بھی واضح اور صریح ہیں کہ ایک صاحبِ اختیار اور صاحبِ حکومت خلیفہ کا تقرر فرض ہے، جو شرعی احکامات کے نفاذ کے لیے ہو، نہ کہ صرف حکومت اور

اتھارٹی کے لیے۔ اسے سمجھنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے اس قول پر غور کریں جسے مسلم نے عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے:

(خِيَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُحِبُّونَهُم وَيُحِبُّونَكُم ، وَيُصَلُّونَ عَلَيكُم وَتُصَلُّونَ عَلَيهِم، وَشِرَارُ اَئِمَّتِكُمُ الَّذِينَ تُبْغِضُونَهُمُ وَيُبْغِضُونَكُمُ وَتَلعَنُونَهُمُ وَيَلعَنُونَكُمُ ، قِيلَ: يَارَسُولَ اللّٰهِ ! اَفَلَا نُنَابِذُهُم بِالسَّيفِ ، فَقَالَ: لَا. مَا أَقَامُوا فِيكُمُ الصَّلَاةَ ، وَاِذَا رَاَيتُمْ مِنْ وُّلَا تِكُمْ شَيئًا تَكْرَهُونَهُ ، فَاكْرَهُوا عَمَلَهُ ، وَلَا تَنْزِعُوا يَدًامِّنْ طَاعَتِهٖ)

''تمہارے بہترین امام وہ ہوں گے جن سے تم محبت کروگے اور وہ تم سے محبت کریں گے۔ وہ تمہارے لیے دعائیں کریں گے اور تم ان کے لیے دعائیں کروگے۔ اور تمہارے بدترین امام وہ ہوں گے جن سے تم بغض رکھو گے اور وہ تم سے بغض رکھیں گے۔ تم ان پر لعنتیں بھیجوگے اور وہ تم پر لعنتیں بھیجیں گے۔''
اس پر آپ ﷺ سے سوال کیا گیا: ''کیا ہم ایسی صورت میں ان حکمرانوں کو بزورِ شمشیر ہٹا نہ دیں؟''
آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس وقت تک نہیں جب تک کہ وہ تمہارے درمیان نماز قائم رکھیں۔ اور اگر تم اپنے حکمرانوں کی طرف سے کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھو تو صرف اسی چیز کو ناپسند کرو اور اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچو۔''

یہ حدیث بہترین اور بدترین اماموں کے بارے میں خبر دینے میں واضح ہے۔ اور جب تک وہ دین کو قائم رکھیں اس وقت تک ان کے خلاف تلوار اٹھانا حرام ہے۔ کیونکہ یہاں اقامتِ نماز کا لفظ بول کر اقامتِ دین مراد لیا گیا ہے (جسے کنایہ کہتے ہیں)۔

پس اسلام کے احکام نافذ کرنے اور اسلام کو پھیلانے کے لیے خلیفہ کا تقرر مسلمانوں پر فرض ہے اور یہ ایسی شرعی نصوص سے ثابت ہے کہ اس میں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ نہیں۔ مسلمانوں پر اسلامی احکامات کے نفاذ اور مسلمانوں کی سرزمین کی حفاظت کو فرض قرار دینے والی نصوص سے بھی خلیفہ کے تقرر کی فرضیت ثابت ہے۔

البتہ خلیفہ کی تقرری یعنی خلافت کا قیام فرضِ کفایہ ہے۔ اگر بعض لوگ اس کے قیام کے

لیے کوششیں کرنے کے باوجود اسے قائم نہ کر سکے تو وہ تمام مسلمانوں پر بطورِ فرض باقی رہے گا۔ اور کسی مسلمان سے اس وقت تک یہ فرض ساقط نہیں ہو گا جب تک کہ مسلمان خلیفہ کے بغیر رہیں گے۔ خلیفۃ المسلمین کو تقرر کرنے سے کنارہ کشی اختیار کرنا گناہِ عظیم ہے۔ کیونکہ یہ اسلامی فرائض میں سے ایک ایسے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کرنا ہے جس پر اسلامی احکامات کے نفاذ کا انحصار ہے، بلکہ کارزارِ حیات میں اسلام کا وجود بھی اسی کا محتاج ہے۔ اگر تمام مسلمان خلیفۃ المسلمین کے تقرر کا کام چھوڑ کر بیٹھ جائیں تو سب سخت گنہگار ہوں گے۔ اگر سبھی نے کوتاہی برتی تو دنیا بھر کے تمام مسلمان فرداً فرداً گنہگار ٹھہریں گے۔ اور اگر کچھ لوگ خلیفہ کے تقرر کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں اور باقی نہ کھڑے ہوں تو کھڑے ہونے والوں سے گناہ ساقط ہو جائے گا البتہ ان پر یہ فرض اس وقت تک باقی رہے گا جب تک کہ خلیفہ کا تقرر ہو نہیں جاتا۔ کیونکہ کسی فرض کی ادائیگی کے لیے جدوجہد میں مشغولیت سے اس کی ادائیگی میں تاخیر یا عدم ادائیگی کے باوجود ان سے گناہ ساقط ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس فرض کی ادائیگی جدوجہد ہی سے ممکن ہے، اور کسی زبردست رکاوٹ نے انہیں اس فرض کی ادائیگی سے رکنے پر مجبور کر دیا۔ جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے جو فرض کی ادائیگی والے کام ہی نہیں کرتے تو وہ ایک خلیفہ کے جانے کے تین دن بعد سے لے کر اگلے خلیفہ کے تقرر تک گنہگار ہوں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ فرض عائد کیا تھا لیکن انہوں نے اس فرض کو نہ تو ادا کیا اور نہ ہی وہ کام کیا جو اس فرض کی ادائیگی کا ذریعہ بن سکے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ دنیا و آخرت میں اللہ کی طرف سے عذاب اور رُسوائی کے حقدار ٹھہریں گے۔ خلیفہ کے قیام اور اس کے لیے درکار ضروری اعمال کی عدم ادائیگی کی بدولت مسلمانوں کے گنہگار ہونے کا سبب نہایت واضح ہے۔ کیونکہ جب کوئی مسلمان اللہ کی طرف سے عائد کردہ کسی بھی فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کرے تو وہ سزاوار ہوتا ہے۔ خاص طور پر ایک ایسا فرض، جس کے ذریعے دوسرے فرائض کا نفاذ ہوتا ہو، اسلام کے احکامات قائم ہوتے ہوں اور چار دانگِ عالم میں اللہ کا دین سربلند ہوتا ہو۔

بعض احادیث میں جو یہ وارد ہوا ہے کہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ لوگوں سے جدا رہ کر صرف اپنی ذات سے متعلق دینی فرائض کو ادا کرتے ہوئے دین پر کاربند رہے اور اسی پر انحصار کرے۔

یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ خلافت کے قیام ہی سے منہ موڑ لیا جائے اور نہ ایسا کرنے سے وہ گناہ سے بَری ہوگا۔ ان احادیث میں غور کرنے والا شخص یہ محسوس کرے گا کہ ان میں دین پر کاربند رہنے کا حکم دیا گیا ہے، نہ کہ ان میں خلیفۃ المسلمین کے قیام سے ہاتھ کھینچ لینے کی رخصت (اجازت) موجود ہے۔ جیسا کہ بخاریؒ نے بسر بن عبید اللہ الحضرمی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے ابو ادریس الخولانی کو سنا اور انہوں نے حذیفہؓ بن یمان کو یہ کہتے ہوئے سنا:

(كَانَ النَّاسُ يَسأَلُونَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ عَنِ الخَيرِ وَكُنتُ أسأَلُهُ عَنِ الشَّرِّ ، مَخَافَةً أن يُّدرِكَنِي ، فَقُلتُ يَارَسُولَ اللّٰهِ ! اِنَّاكُنَّا فِيْ جَاهِلِيَّةٍ وَشَرٍّ فَجَاءَ نَااللّٰهُ بِهٰذَا الخَيْرِ فَهَلْ بَعدَ هٰذَاالخَيرِ مِن شَرٍّ ؟ قَالَ نَعَم ، قُلْتُ وَهَلْ بَعد ذَالِكَ الشَّرِّ مِن خَيرٍ؟ قَالَ نَعَم: وَفِيهِ دَخَنٌ ، قُلتُ وَمَا دَخَنُهُ ؟ قَالَ قَومٌ يَّهدُونَ بِغَيرِ هَدْيِي تَعرِفُ مِنهُم وَتُنكِرُ ، قُلتُ فَهَل بَعدَ ذَالِكَ الخَيرِ مِن شَرٍّ ؟ قَالَ نَعَم ، دُعَاةٌ عَلٰى اَبوَابِ جَهَنَّم مَن اَجَابَهُم اِلَيهَا قَذَفُوهُ فِيهَا ، قُلتُ يَارَسُولَ اللّٰهِ ! صِفْهُمْ لَنَا ، قَالَ هُم مِن جِلْدَتِنَا ، وَيَتَكَلَّمُونَ بِاَلسِنَتِنَا ، قُلتُ فَمَا تَأمُرُنِي اِن اَدرَكَنِي ذَالِكَ ؟ قَالَ تَلْزِمُ جَمَاعَةَ المُسلِمِينَ وَاِمَامَهُم ، قُلتُ فَاِن لَّم يَكُن لَهُم جَمَاعَةٌ وَلا اِمَامٌ ، قَالَ: فَاعتَزِلْ تِلْكَ الفِرَقَ كُلَّهَا ، وَلَوْاَن تَعُضَّ بِاَصلِ شَجَرَةٍ حَتّٰى يُدرِكَكَ المَوتُ وَاَنتَ عَلٰى ذالِكَ)

"عام طور پر لوگ رسول اللہ ﷺ سے خیر کے بارے میں سوالات پوچھا کرتے تھے جبکہ میں آپ سے شر کے بارے پوچھا کرتا تھا کہ مبادا اس میں گرفتار ہو جاؤں۔ چنانچہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم جاہلیت اور شر میں گھرے ہوئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ خیر عطا فرما دی، تو کیا اس خیر کے بعد بھی شر ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں! میں نے کہا: اس شر کے بعد خیر آئے گی؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اور اس میں دخن (دھواں) ہوگا۔ میں نے عرض کیا: اس کا دخن (دھواں) کیا ہوگا؟ فرمایا: ایسی قوم ہوگی جو میری ہدایت کے بغیر ہدایت کرے گی۔ ان میں سے کچھ چیزیں تمہیں اچھی لگیں گی اور کچھ بری۔ میں نے کہا: "کیا اس خیر کے بعد بھی شر ہوگا؟ فرمایا: ہاں! جہنم کے دروازوں پر کھڑے ہوئے داعی (مبلغ) ہوں گے۔ جس نے اس جہنم کی طرف بلانے والے کی پکار کو قبول کیا تو وہ اُسے اس

میں پھینک دیں گے۔'' میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ہمیں ان کی صفات بتا دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ ہماری چمڑی (مراد ہم میں) سے ہوں گے اور ہماری زبانیں بولیں گے۔'' میں نے کہا: ''اگر مجھ پر یہ زمانہ آئے تو آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام (خلیفہ) کے ساتھ چمٹے رہو۔'' میں نے عرض کیا: ''اگر ان کی جماعت اور امام (خلیفہ) نہ ہو؟ آپ نے فرمایا: ''ان تمام فرقوں سے جدا رہنا اگرچہ تجھے درخت کی جڑیں ہی چبانی پڑیں۔ یہاں تک کہ اسی حالت میں تجھے موت آ جائے۔''

یہ حدیث اس بارے میں نہایت واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مسلمان کو یہ حکم دے رہے ہیں کہ وہ مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام (خلیفہ) کے ساتھ چمٹا رہے اور اُن داعیوں کو چھوڑ دے جو جہنم کے دہانے پر کھڑے ہیں۔ اس پر سوال کرنے والے نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ جب مسلمانوں کی جماعت اور امام (خلیفہ) نہ ہو تو اس وقت وہ جہنم کے دہانے پر کھڑے ان داعیوں کے بارے میں کیا کرے تو اس صورتِ حال میں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ وہ ان تمام فرقوں سے جدائی اختیار کرے۔ یہ نہیں کہا کہ وہ مسلمانوں سے جدا ہو جائے اور نہ یہ کہا کہ وہ امام (خلیفہ) کے قیام کا فریضہ ہی ترک کر کے بیٹھ جائے۔ لہٰذا نبی ﷺ کا حکم ''ان تمام فرقوں سے جدا ہو جانا'' نہایت واضح ہے۔ آپ ﷺ نے ان تمام فرقوں سے جدا ہونے پر اس قدر زور دیا کہ چاہے اس کے لیے مدت تک درخت کی جڑیں ہی کیوں نہ چبانی پڑیں، حتّٰی کہ موت اسے آ لے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جہنم کے دہانے پر کھڑے گمراہ داعیوں سے دور رہتے ہوئے دین پر کاربند رہا جائے۔ اس حدیث میں اقامتِ خلافت کے لیے جدوجہد کرنے سے باز رہنے کا کوئی عذر بیان ہوا اور نہ اس سے رخصت دی گئی ہے۔ بلکہ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ دین کو مضبوطی سے تھاما جائے اور جہنم کے دہانے پر کھڑے داعیوں سے دور رہا جائے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ جب تک مسلمان اقامتِ خلافت کے لیے کام نہیں کرتا اس وقت تک وہ گنہگار رہے گا۔ وہ اس بات کا پابند ہے کہ وہ تمام گمراہ فرقوں سے جدا رہے، تاکہ گمراہ داعیوں سے اپنا دین بچا سکے، چاہے اس کے لیے اسے درخت کی جڑیں ہی کیوں نہ چبانی پڑیں۔ اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کے معاشرے سے ہی دور ہو جائے اور دینی احکامات کے نفاذ

کے لیے مسلمانوں کے امام (خلیفہ) کی اقامت کے فرض ہی کو ترک کردے۔

اسی طرح بخاری نے ابوسعید خدری ؓ سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(یُوْشِكُ اَنْ یَّكُوْنَ خَیْرَ مَالِ الْمُسْلِمِ غَنَمٌ یَتْبَعُ بِهَا شَعَفَ الْجِبَالِ وَمَوَاقِعَ الْقَطْرِ یَفِرُّ بِدِیْنِهٖ مِنَ الْفِتَنِ)

''قریب ہے کہ فتنوں سے بھاگ کر اپنا دین بچانے والے مسلمان کا بہترین مال وہ بکریاں ہوں گی جن کے پیچھے وہ پہاڑوں کے رستوں اور پانی کی جگہوں پر پھرتا رہے گا۔''

یہاں یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مسلمانوں کی جماعت سے الگ تھلگ ہو کر دینی احکامات پر عمل چھوڑ دیا جائے اور جب رُوئے زمین سے خلافت ختم ہو جائے تو اس کے قیام کے لیے جدوجہد ہی نہ کی جائے۔ بلکہ اس میں تو یہ بیان ہوا ہے کہ فتنوں کے دور میں مسلمان کا بہترین مال کون سا ہوگا اور فتنوں سے دور رہنے کے لیے کونسا عمل بہتر ہوگا؟ اس میں مسلمانوں سے دُور اور لوگوں سے الگ تھلگ رہنے کی قطعاً کوئی ترغیب نہیں دی گئی۔ چنانچہ رُوئے زمین پر کوئی مسلمان اقامتِ دین کے حکم سے مستثنیٰ نہیں، جسے اللہ تعالیٰ نے ان پر فرض کیا ہے۔ یعنی اُس وقت ایک خلیفہ کو قائم کرنا جبکہ اس دنیا میں خلافت موجود نہ ہو اور نہ کوئی اللہ تعالیٰ کے محرمات کے تحفظ کے لیے حدود اللہ کو قائم کرنے والا ہو۔ نہ کوئی دین کے قوانین کو نافذ کرنے والا اور نہ مسلمانوں کو ''لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ'' کے جھنڈے تلے ایک کرنے والا ہو۔ چنانچہ جب تک یہ فرض پورا نہ ہو جائے مسلمان کو اس کے لیے جدوجہد کو ترک کرنے کی کوئی رخصت نہیں ہے۔

خلیفہ کے قیام کے لیے مسلمانوں کو دی گئی مہلت

خلیفہ کو مقرر کرنے کیلئے جو مدّت مسلمانوں کو دی ہے وہ تین دن بشمول ان کی راتیں ہیں۔ ایک مسلمان کیلئے جائز نہیں ہے کہ اُس پر تین دن اس طرح گزر جائیں کہ اُس پر بیعت کا طوق نہ ہو۔ جہاں تک اِس مدّت کو تین دن بشمول تین راتوں تک محدود کرنے کا معاملہ ہے، تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ سابق خلیفہ کی وفات یا معزول کیے جانے کے لمحہ سے نئے خلیفہ کا تقرر کرنا فرض ہو جاتا ہے، لیکن اگر مسلمان اس مدّت کے دوران خلیفہ کو نصب کرنے کے کام میں مشغول ہوں تو اس میں تین دن اور تین راتوں کی تاخیر جائز ہے؛ اور اگر اس مدّت کے گزر جانے کے باوجود خلیفہ کی تقرری نہیں ہو پاتی تو پھر قابلِ غور یہ ہوگا کہ آیا مسلمان اس کام میں مصروف تھے لیکن بعض ایسے حالات کی وجہ سے کام کو تکمیل نہ پہنچا سکے جو اِن کی دسترس سے باہر تھے، ایسی صورت میں کام کو انجام نہ دے پانے کا گناہ اُن پر نہ ہوگا کیونکہ وہ فرض میں بہرحال لگے رہے اور اس میں ہونے والی تاخیر اُن کی پسند سے نہ تھی۔ ابنِ حبان اور ابنِ ماجہ میں ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إنَّ اللهَ وَضَعَ عَن أمتي الخطأ و النسيان و ما أستكرِهوا عليه.))

''اللہ تعالیٰ نے میری امت سے غلطی، بھول چوک اور جس پر وہ مجبور ہو، کو معاف کر دیا ہے''

اس کے برعکس اگر مسلمان خلیفہ کی تقرری کے کام میں مشغول نہ ہوں تو سب کے سب گنہگار ہوں گے جب تک کہ یہ کام انجام نہ پا جائے اور یہ فرض اُن سے ساقط نہ ہو جائے۔

خلافت کے منصب کے خالی ہوتے ہی فوراً اس خلیفہ کے تقرر کے عمل میں مشغول ہو جانے کی دلیل صحابہ کرام کا عمل ہے جو رسول اللہ ﷺ کی وفات کے فوراً بعد اُسی دن سقیفۂ بنی ساعدہ میں جمع

ہوئے اور آپ ﷺ کی تدفین سے پہلے اُسی دن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعتِ انعقاد مکمل کرلی اور دوسرے دن مسلمان مسجدِ نبوی میں جمع ہوئے اور پھر بیعتِ اطاعت ہوئی۔

جہاں تک خلیفہ کو نصب کئے جانے کیلئے معینہ مدّت کے تین دن بشمول ان کی تین راتوں کے ہونے کا تعلق ہے، تو یہ اس بنا پر ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کو جب زخموں کے باعث اپنی موت کا یقین ہو گیا، تو آپؓ نے اہلِ شوریٰ کے لیے تین دن کی مدّت کی حد لگائی۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے یہ ہدایت کی کہ اگر اس مدّت میں یہ کام انجام نہیں پاتا تو جو شخص مخالفت کرے اُس کو اس مدّت کے بعد قتل کر دیا جائے، نہ صرف یہ بلکہ آپؓ نے مسلمانوں کے پچاس آدمیوں کو یہ کام سونپا یعنی وہ مخالف کو قتل کر دیں، جبکہ وہ ممکنہ مخالف اہلِ شوریٰ اور جلیل القدر صحابہ میں سے تھا۔ یہ سب تمام صحابہؓ کرام کے عین سامنے پیش آیا اور اس کا انکار یا کراہت کسی بھی صحابی سے منقول نہیں ہے! لہٰذا یہ صحابہؓ کرام کا اس بات پر اجماع تھا کہ یہ جائز نہیں کہ مسلمان تین دن اور تین راتوں سے زیادہ خلیفہ کے بغیر رہیں۔ اور صحابہؓ کرام کا اجماع، قرآن اور سنت کی مانند شرعی دلیل ہے۔

خلافت کا انعقاد

خلافت رضامندی اور اختیار کا ایک عقد (معاہدہ - contract) ہے جو مستحقِ اطاعت امیر کی اطاعت کی بیعت کے لیے ہے۔ اس لیے اس میں جسے بیعت دی جارہی ہے (خلیفہ) اور بیعت کرنے والے دونوں کی رضامندی شامل ہونی چاہیے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص خلیفہ بننے سے انکار کردے تو اس پر اسے مجبور کرنا جائز نہیں' بلکہ ایسی صورت میں کسی دوسرے کو منتخب کرلینا چاہیے۔ اسی طرح لوگوں کو مجبور کرکے ان سے بیعت لینا بھی جائز نہیں کیونکہ پھر اس قسم کا عقد رضامندی اور اختیار کا نہیں ہوگا بلکہ اس کے برعکس ہوگا، کیونکہ اب اس میں زبردستی اور مجبوری کا عنصر داخل ہوگیا۔ بیعت بھی دوسرے عقود کی طرح ایک عقد ہے۔ اگر بیعت کا عقد ان لوگوں کی بیعت دینے سے مکمل ہوجائے، جن کی بیعت معتبر ہے تو یہ معاہدہ ہوگیا۔ اور جس کی بیعت کی گئی وہی اُولُو الْاَمر ہوگا۔ چنانچہ اس کی اطاعت اب فرض ہے۔ اس کے بعد کی بیعت اطاعت کی بیعت ہوگی، خلافت کے انعقاد کی نہیں۔ اب باقی لوگوں کو اس کی بیعت پر مجبور کرنا جائز ہے۔ کیونکہ یہ اطاعت پر مجبور کرنا ہے جو شرعاً جائز ہے۔ اس کو بیعت میں ''اجبار'' (زبردستی) کرنا نہیں کہا جائے گا، کیونکہ یہ خلافت کے انعقاد کی بیعت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پہلی بیعت ایک عقد ہے، جو صرف رضامندی اور اختیار سے منعقد ہوگا۔ جبکہ خلیفہ کی بیعت کرنے سے مراد خلیفہ کی اطاعت کی بیعت ہے اور اس میں اللہ کے حکم کو نافذ کرنے کے لیے زبردستی کرنا جائز ہے۔ چونکہ خلافت ایک عقد ہے، اس لیے عاقد (معاہدہ کرنے والے) کی موجودگی ضروری ہے جیسا کہ قضا (عدلیہ) میں کوئی بھی شخص اس وقت تک قاضی نہیں ہو سکتا جب تک کہ کوئی اسے یہ ذمہ داری نہ سونپے۔ حکومت کا معاملہ بھی اسی طرح ہے۔ کوئی شخص

اس وقت تک حاکم نہیں ہوسکتا جب تک کہ کوئی اسے حکومت کی ذمہ داری نہ سونپے۔ یہی صورتحال خلافت کی ہے۔ کوئی شخص اس وقت تک خلیفہ نہیں ہوسکتا کہ جب تک کوئی اسے خلیفہ نامزد نہ کرے۔ چنانچہ اس سے ظاہر ہوا کہ کوئی شخص اس وقت تک خلیفہ نہیں ہوسکتا جب تک کہ مسلمان اسے خلیفہ مقرر نہ کرلیں۔ اورکوئی شخص خلافت کے اختیار کا حامل اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ خلافت کے معاہدے کی تکمیل نہ ہوجائے۔ اورعقداس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کے دونوں عاقد یعنی خلافت کا امیدواراوروہ مسلمان، جواس کی بیعت پر راضی ہیں،موجود نہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی بیعت ضروری ہے۔ چنانچہ کوئی زبردستی حکومت پر قبضہ کرنے سے خلیفہ نہیں بنتا،اگرچہ وہ اپنے بارے میں مسلمانوں کا خلیفہ ہونے کا اعلان بھی کردے۔ کیونکہ مسلمانوں کی طرف سے اس کی خلافت کا عقد ہی نہیں ہوا۔ وہ زبردستی اور جبراً بیعت بھی لے لےاورلوگ اس کی بیعت کربھی لیں تو پھر بھی وہ خلیفہ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ زبردستی اور جبراً لی گئی بیعت کا کوئی اعتبار نہیں اوراس سے خلافت کا انعقاد نہیں ہوسکتا۔ خلافت کا عقدرضامندی کا اورایک اختیاری عقد ہےاور یہ زبردستی اور جبراً منعقد ہی نہیں ہوتااورصرف رضامندی اوراپنے اختیار سے بیعت دینے سے ہوتا ہے۔ ہاں! اگرحکومت پر قبضہ کرنے والاشخص لوگوں کوقائل کرنے میں کامیاب ہوجائے کہ مسلمانوں کی مصلحت اسی میں ہے یعنی اس کی بیعت میں اوراس کی بیعت کرنے سےشرعی احکامات کونافذ بھی کیا جائے گااورلوگ اس پرراضی ہوجائیں اورپھر رضامندی سےاس کی بیعت کرلیں،تواب یہ شخص اُس وقت سے خلیفہ متصور ہوگا،جب رضامندی اوراختیار سےاس کی بیعت کی گئی۔ اگرچہ حکومت پراس نے زبردستی قبضہ کیا تھا۔ شرط رضامندی اوراختیار سے بیعت کرنے کی ہے،چاہے وہ شخص جس کی بیعت کی گئی پہلے سے حکمران اورصاحبِ اقتدار ہو یا نہ ہو۔

وہ کون لوگ ہیں جن کی بیعت سے خلافت کا انعقاد ہوتا ہے؟ اس کا علم خلفائے راشدین کی بیعت اورصحابہؓ کے اجماع کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ ابوبکرؓ کی بیعت میں مدینہ کے مسلمانوں میں سے صرف اہلِ حل وعقد پر اکتفاء کیا گیا،اہلِ مکہ اور جزیرہ نمائے عرب کے دیگرمسلمانوں کی رائے نہیں لی گئی' بلکہ ان سے پوچھا بھی نہیں گیا۔ عمرؓ کی بیعت میں بھی یہی ہوا۔

عثمانؓ کی بیعت میں عبد الرحمٰن بن عوفؓ نے مدینہ کے مسلمانوں کی رائے لی اور صرف اہلِ حل وعقد کی رائے پر اکتفاء نہیں کیا، جیسا کہ ابوبکرؓ نے عمرؓ کو نامزد کرتے وقت کیا تھا۔ اور علیؓ کی بیعت میں اہلِ مدینہ اور اہلِ کوفہ کی اکثریت کی بیعت پر اکتفاء کیا گیا۔ بیعت میں وہ تنہا تھے، اس لیے ان کی بیعت کا ان کے مخالفین، حتیٰ کہ ان کے ساتھ لڑنے والوں کو بھی اعتبار تھا۔ چنانچہ انہوں نے آپ کے علاوہ نہ تو کسی اور کی بیعت کی اور نہ ہی آپ کی بیعت پر کوئی اعتراض کیا، بلکہ صرف عثمانؓ کے خون کا مطالبہ کیا۔ لہٰذا ان کا حکم باغیوں کا سا تھا۔ اس لیے خلیفہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کے سامنے معاملے کی وضاحت کرے اور نہ ماننے والوں سے قتال کرے۔ ان کی کوئی دوسری خلافت نہیں ہوگی۔ یہ سب کچھ یعنی خلفائے راشدین کی بیعتوں میں دار الخلافہ کے اکثر لوگوں کی رائے کے مطابق بیعت لی گئی، سوائے علیؓ کی بیعت کے، جس میں انہوں نے اہلِ کوفہ کو بیعت میں شریک کیا تھا۔ یہ صحابہؓ کی آنکھوں کے سامنے ہوا۔ اور اگرچہ صحابہؓ نے کسی خاص شخص کو خلیفہ بنانے اور اس کے بعض اقدامات کی مخالفت تو کی مگر اہلِ مدینہ کی اکثریت تک اس ''بیعتِ انعقاد'' کو محدود کرنے کا نہ تو انکار کیا اور نہ اس کی مخالفت کی۔ چنانچہ صحابہؓ کا اجماع تھا کہ حکومت کے معاملے میں مسلمانوں کی نمائندگی کرنے والوں کے ذریعے خلافت قائم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اہلِ حل وعقد اور اہلِ مدینہ کی اکثریت ہی اس وقت حکمرانی کے معاملے میں اسلامی ریاست کی اکثریت کی رائے کی نمائندگی کر رہی تھی۔

چنانچہ ایک خلیفہ کی جگہ نئے خلیفہ کے انتخاب کا ارادہ کیا جائے تو پچھلے خلیفہ کے دائرہ اختیار میں شامل امتِ مسلمہ کے نمائندوں کی اکثریت جب اس (نئے امیدوار) کی بیعت کر لے تو خلافت کا معاہدہ مکمل ہو جائے گا، جیسے خلفائے راشدین کے دور میں ہوا اور یہ ''بیعتِ انعقاد'' ہوگی۔ البتہ خلیفہ کے تقرر کے بعد باقی افراد سے جو بیعت لی جائے گی، وہ اطاعت کی بیعت ہوگی۔ یعنی خلیفہ کی فرمانبرداری کی بیعت، نہ کہ ''بیعتِ انعقاد''۔ یہ خلیفہ کی موت یا اسے ہٹانے اور اس کی جگہ دوسرا خلیفہ مقرر کرنے کی صورت میں ہوگا۔ مگر جب کوئی خلیفہ سرے سے موجود ہی نہ ہو تو شرعی احکامات کے نفاذ اور دنیا بھر میں اسلام کی دعوت کو پھیلانے کے لیے مسلمانوں پر خلیفہ کا قیام فرض ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ 1343 ہجری بمطابق 1924ء میں استنبول (ترکی) میں خلافتِ اسلامیہ کے انہدام سے

لے کر آج تک، یعنی 1421 ہجری بمطابق 2000ء تک یہ فرض ادا نہیں ہوا۔ موجودہ صورتِ حال میں عالمِ اسلام کا ہر ملک اس قابل ہے کہ اس میں کسی شخص کی بطورِ حکمران بیعت کی جائے اور یوں وہاں خلافت قائم کی جائے۔ جب ان ملکوں میں سے کسی ملک کے افراد کسی شخص کی بیعت کر لیں اور اس کی خلافت قائم ہو جائے تو تمام مسلمانوں پر فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اس کی ''بیعتِ اطاعت'' کریں۔ یعنی اس کی قیادت کو تسلیم کرنے کی بیعت کریں۔ اور یہ اس وقت ہو گا جب اُس ملک کے لوگوں کی بیعت سے اس کی خلافت قائم ہو چکی ہو، خواہ وہ علاقہ مصر، ترکی اور انڈونیشیا کی طرح بڑا ہو یا البانیہ، اردن اور لبنان کی مانند چھوٹا ہو۔ البتہ! شرط یہ ہے کہ وہاں مندرجہ ذیل چار امور پائے جائیں:

اول: وہ ملک اپنی اتھارٹی میں خود مختار ہو۔ اس کا اقتدار مسلمانوں کی مدد سے ہو، کسی کافر حکومت یا کسی کافر شخص کے اثر و رسوخ کی بنا پر نہ ہو۔

دوئم: اس ملک میں مسلمانوں کی امان (تحفظ) اسلام کی امان سے ہو، نہ کہ کفر کی امان سے۔ یعنی اس علاقے کا داخلی و خارجی تحفظ اسلامی تحفظ ہو، جو صرف مسلمانوں کی قوت کے بل بوتے پر قائم ہو، اس اعتبار سے کہ یہ خالص اسلامی طاقت ہے۔

سوئم: وہ ملک فوراً اسلام کا ہمہ گیر اور انقلابی نفاذ کرے اور اسلامی دعوت کی ذمہ داریوں کو ادا کرنا شروع کرے۔

چہارم: جس خلیفہ کی بیعت کی جائے وہ ''شروطِ انعقاد'' پر پورا اترتا ہو۔ اگرچہ ''شروطِ افضلیت'' اس میں موجود نہ بھی ہوں۔ کیونکہ ''شروطِ انعقاد'' کا ہونا ہی لازم ہے۔

جب کوئی ملک ان چاروں چیزوں کو پورا کرتا ہے تو صرف اسی ملک کے مسلمانوں کی بیعت کرنے سے خلافت قائم ہو جائے گی۔ اگرچہ وہاں کے اکثر اہلِ حل وعقد ملتِ اسلامیہ کی اکثریت کی نمائندگی نہ بھی کرتے ہوں۔ کیونکہ خلافت کا قیام فرضِ کفایہ ہے اور جو بھی اس فرض کو بطریقِ احسن سرانجام دے تو امتِ مسلمہ کی طرف سے یہ فرض پورا ہو جائے گا۔ مزید برآں یہ کہ اہلِ حل وعقد کی اکثریت اس وقت شرط ہے جب ایک خلیفہ موجود ہو، اور وہ فوت ہو جائے یا معزول کر دیا جائے اور اس

کے بعد کسی دوسرے شخص کو خلیفہ بنایا جارہا ہو۔ البتہ اگر سرے سے خلافت کا وجود ہی نہ ہو اور خلافت قائم کرنے کی کوشش کی جارہی ہو تو کسی بھی خلیفہ سے، جو ''شروطِ انعقاد'' پر پورا اترتا ہو، خلافت قائم ہو جائے گی۔ خواہ اس کی بیعت کرنے والوں کی تعداد کتنی ہی قلیل کیوں نہ ہو۔ کیونکہ اس وقت ایسے فرض کی ادائیگی کا مسئلہ ہے، جسے مسلمانوں نے تین روز سے زیادہ مدت میں بھی ادا نہیں کیا۔ نیز ان کا اس فرض کے لیے کوشش نہ کرنا درحقیقت اپنے انتخاب کے حق سے دستبردار ہونا ہے۔ لہٰذا جو لوگ اس فرض کی ادائیگی کے لیے کوشش کریں تو وہ خلافت کا معاہدہ مکمل کرنے کے لیے کافی ہیں۔ پس جیسے ہی کسی ملک میں خلافت قائم ہو جائے اور خلیفہ کے ساتھ خلافت کا معاہدہ ہو جائے تو پھر تمام مسلمانوں پر اس خلافت کے جھنڈے تلے جمع ہونا اور اس خلیفہ کی بیعت کرنا فرض ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کریں تو پھر وہ اللہ کے نزدیک گنہگار ٹھہریں گے۔ اور اس خلیفہ پر بھی فرض ہے کہ وہ ان کو اپنی بیعت کے لیے دعوت دے۔ اگر وہ اس کی بیعت نہ کریں تو ان پر باغی کے حکم کا اطلاق ہوگا اور خلیفہ پر فرض ہوگا کہ وہ ان سے اس وقت تک قتال کرے جب تک کہ وہ اس کی اطاعت پر راضی نہیں ہو جاتے۔ جب پہلے خلیفہ کی بیعت اور مذکورہ چاروں شرائط پوری کرتے ہوئے شرعی معاہدے کے ذریعے قائم ہونے والی خلافت کے قیام کے بعد اگر اسی ملک میں یا کسی دوسرے ملک میں کسی دوسرے خلیفہ کی بیعت کی جائے تو مسلمانوں پر فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اس وقت تک اس سے جنگ کریں جب تک کہ وہ پہلے خلیفہ کی بیعت نہیں کر لیتا۔ اس کی دلیل صحیح مسلم کی وہ روایت ہے جو عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

(وَمَنْ بَايَعَ اِمَامًا فَاَعْطَاهُ صَفْقَةَ يَدِهِ وَثَمَرَةَ قَلْبِهِ ' فَلْيُطِعْهُ اِن استَطَاعَ ' فَاِنْ جَآءَ آخَرُ يُنَازِعهُ فَاضرِبُوا عُنُقَ الآخَرِ)

''اور جو شخص کسی امام (خلیفہ) کی بیعت کرے تو اسے اپنے ہاتھ کا معاملہ اور دل کا پھل دے دے (یعنی سب کچھ اس کے حوالہ کر دے)، پھر اسے چاہیے کہ وہ حسبِ استطاعت اس کی اطاعت بھی کرے۔ اگر کوئی دوسرا شخص آئے اور پہلے خلیفہ سے تنازع کرے تو دوسرے کی گردن اڑا دو۔''

اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کو اسلام کے جھنڈے تلے جمع کرنے والا خلیفہ ہی ہے۔ جب خلیفہ موجود ہوگا تو مسلمانوں کی جماعت بھی ہوگی اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ مل کر رہنا فرض ہوگا اوران کے خلاف بغاوت حرام ہوگی۔ ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

(مَنْ رَاٰی مِنْ اَمِیرِہٖ شَیئًا یَکْرَھُہُ فَلیَصْبِرْ عَلَیہِ ' فَاِنَّہُ مَن فَارَقَ الجَمَاعَۃَ شِبرًا فَمَاتَ اِلَّا مَاتَ مِیتۃً جاھِلِیَّۃً)

''جوشخص اپنے امیر کے کسی ناپسندیدہ کام کو دیکھے تو اس پر صبر کرے۔کیونکہ جس نے بھی جماعت سے بالشت بھر علیحدگی اختیار کی اور اس حالت میں مرگیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔''

مسلمؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

(مَن کَرِہَ مِنْ اَمِیرِہٖ شَیئًا فَلیَصْبِرْ عَلَیہِ ' فَاِنَّہُ لَیسَ اَحَدٌ مِّنَ النَّاسِ یَخْرُجُ مِنَ السُّلطَانِ شِبرًا ' فَمَاتَ عَلَیہِ ' اِلَّا مَاتَ مِیتَۃً جَاھِلِیَّۃً)

''جس نے اپنے امیر کی کسی چیز کو ناپسند کیا تو لازم ہے کہ وہ اس پر صبر کرے۔کیونکہ لوگوں میں سے جس نے بھی امیر کی اطاعت سے بالشت برابر بھی خروج کیا اور وہ اس حالت میں مرگیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔''

ان دونوں احادیث کا مفہوم یہ ہے کہ جماعت اور حکومت کے ساتھ وفادار رہا جائے۔غیر مسلموں کو بیعت کا کوئی حق نہیں اور نہ ان کے لیے یہ ضروری ہے۔ کیونکہ یہ اسلام، اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت پر بیعت ہے، اور یہ اسلام، کتاب اور سنت پر ایمان کا تقاضا کرتی ہے۔ غیر مسلموں کو یہ اجازت نہیں کہ وہ حکومت میں شامل ہوں اور نہ یہ جائز ہے کہ وہ حکمرانوں کا انتخاب کریں۔ اس لیے کہ انہیں مسلمانوں پر کوئی غلبہ ہے اور نہ ہی بیعت میں ان کا کوئی حصہ ہے۔

بیعت

بیعت تمام مسلمانوں پر فرض ہے اور ہر مسلمان مرد او رعورت کا حق بھی ہے۔ اس کی فرضیت بے شمار احادیث سے ثابت ہے جیسا کہ ابنِ عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

(وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِيْ عُنُقِهٖ بَيْعَةٌ ، مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً)

''اور جوکوئی اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں (خلیفہ کی) بیعت کا طوق نہ ہوتو وہ جاہلیت کی موت مرا۔''

اور جہاں تک اس کا مسلمانوں کا حق ہونے کا تعلق ہے تو بیعت کی کیفیت خود اس پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ بیعت مسلمانوں کی طرف سے خلیفہ کی ہوتی ہے، خلیفہ کی جانب سے مسلمانوں کی نہیں۔ چنانچہ صحیح احادیث میں مسلمانوں کا رسول اللہ ﷺ کی بیعت کرنا ثابت ہے۔ بخاری میں عبادة بن صامتؓ کی روایت ہے:

(بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ ، فِي الْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ ، وَاَنْ لَّا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهٗ ، وَاَنْ نَّقُوْمَ ، اَوْ نَقُوْلَ بِالْحَقِّ حَيْثُمَا كُنَّا لَانَخَافُ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ)

''ہم نے رسول اللہ ﷺ سے پسند اور ناپسند (دونوں حالتوں میں) سننے اور اطاعت کرنے پر بیعت کی۔ اور اس بات پر کہ ہم اولوالامر کے ساتھ نزاع نہیں کریں گے۔ اور ہم حق کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں گے، یا حق بات کہہ دیں گے جس حالت میں بھی ہوں گے۔ اور اللہ کے معاملے میں کسی بھی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ نہیں کریں گے۔''

بخاری نے ایوب سے اور انہوں نے حفصہ سے اور انہوں نے ام عطیہؓ سے روایت کی ہے، وہ کہتی ہیں:

(بَایَعنَا النَّبیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ فَقَرَاَ عَلَیْنَا: ﴿اَنْ لَّا یُشْرِکنَ بِاللّٰہِ شَیْئًا﴾ وَنَھَانَا عَنِ النّیَاحَۃِ ' فَقَبَضَتِ امْرَاَۃٌ مِنَّا یَدَھَا فَقَالَتْ: فُلَانَۃُ اَسْعَدَتْنِیْ وَأنَا اُرِیدُ اَنْ اَجْزِیَھَا ' فَلَم یَقُل شَیئًا ' فَذَھَبَتْ ثُمَّ رَجَعَتْ)

''ہم نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی تو آپ نے میرے سامنے یہ آیت تلاوت کی: ''وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ ٹھہرائیں'' (الممتحنة: 12) اور ہمیں بَین کرنے سے منع فرمایا۔ اس دوران ہم میں سے ایک عورت نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور کہا کہ فلاں عورت نے مجھے خوش کیا میں پہلے اس کا بدلہ دینا چاہتی ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے کچھ بھی نہ فرمایا۔ وہ عورت چلی گئی اور پھر لوٹ کر واپس آئی۔''

بخاری نے ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

(ثَلَاثَۃٌ لَایُکَلِّمُھُمُ اللّٰہُ یومَ القِیَامَۃِ وَلَا یُزَکِّیھِم وَلَھُم عَذَابٌ اَلِیمٌ : رَجُلٌ عَلٰی فَضْلِ مَآءٍ بِالطَّرِیقِ یَمْنَعُ مِنہُ ابْنَ السَّبِیلِ' وَرَجُلٌ بَایَعَ اِمَامًا لَایُبَایِعُہُ اِلَّا لِدُنیَاہُ' اِنْ اَعطَاہُ مَایُرِیدُ وَفّٰی لَہُ ' وَاِلَّا لَمْ یَفِ لَہُ ' وَرَجُلٌ بَایَعَ رَجُلاً بِسِلْعَۃٍ بَعْدَ العَصْرِ' فَحَلَفَ بِاللّٰہِ لَقَد اُعْطِیَ بِھَا کَذَا وَکَذَا فَصَدَّقَہُ فَاَخَذَھَا وَلَمْ یُعطَ بِھَا)

''تین (طرح کے) آدمیوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کلام کریں گے اور نہ ان کو پاک کریں گے اور ان کے لیے سخت ترین عذاب ہوگا۔ ایک وہ شخص' جو راستے میں زائد پانی پر بیٹھ جائے اور لوگوں کو اس سے منع کرے۔ دوسرا وہ شخص، جو امام کی بیعت صرف اپنی دنیا کی خاطر کرے۔ اگر وہ اسے وہ کچھ دے، جس کا وہ طلب گار رہے، تو اس کی بیعت کو ایفاء کرے، اور اگر وہ اسے نہ دے تو وہ ایفاء نہ کرے۔ تیسرا وہ شخص، جو کسی شخص کو عصر کے بعد سودا دے اور قسم اٹھا کر کہے کہ اسے یہ چیز اتنے میں ملی ہے جبکہ وہ اسے اتنے میں نہ ملی ہو۔ اور لینے والا اس کی بات کو سچ سمجھ کر اس سے وہ سودا خرید لے۔''

اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

(كُنَّا اِذَا بَايَعنَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ و آلِهٖ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمعِ وَالطَّاعَةِ يَقُولُ لَنَا فِيمَا اسْتَطَعْتُمْ)

''جب ہم اطاعت اور فرمانبرداری پر رسول اللہ ﷺ کی بیعت کر رہے تھے تو آپ ﷺ ہمیں فرما رہے تھے: ''جس کی تمہیں استطاعت ہو۔''

اور بخاری نے جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

(بَايَعتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِه وَسَلَّمَ عَلَى السَّمعِ وَالطَّاعَةِ ، فَلَقَّنَنِيْ: ''فِيمَا اسْتَطَعتُ ، وَالنُّصحِ لِكُلِّ مُسلِمٍ'')

''میں نے سننے اور ماننے پر نبی ﷺ کی بیعت کی تو آپ ﷺ نے مجھے تلقین کی: ''جس کی تمہیں استطاعت ہو اور نصیحت ہر مسلمان کے لیے ہے۔''

اور بخاری نے جنادہ بن ابی امیہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا:

(دَخَلْنَا عَلٰى عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ وَهُوَ مَرِيضٌ ، فَقُلنَا: اَصْلَحَكَ اللّٰهُ ، حَدِّث بِحَدِيثٍ يَنفَعُكَ اللّٰهُ بِهٖ سَمِعْتَهُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِه وَسَلَّمَ ، قَالَ : دَعَانَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِه وَسَلَّم فَبَايَعنَاهُ. فَقَالَ فِيمَا اَخَذَ عَلَينَا اَنْ بَايَعنَا عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي مَنْشَطِنَا وَمَكرَهِنَا ، وَعُسرِنَا وَيُسرِنَا ، وَاَثَرَةً عَلَينَا ، وَاَنْ لَّا نُنَازِعَ الاَمْرَ اَهلَهُ اِلَّا اَنْ تَرَوْا كُفرًا بَوَاحًا عِندَكُم مِّنَ اللّٰهِ فِيهِ بُرْهَانٌ)

''ہم عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور وہ بیمار تھے تو ہم نے دعا کی کہ اللہ آپ کو تندرستی عطا فرمائے۔ (پھر ہم نے کہا) ہمیں ایسی حدیث سنایئے جسے آپ نے نبی ﷺ سے سنا ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس سے نفع عطا فرمائے۔'' انہوں نے کہا: ''ہمیں نبی ﷺ نے دعوت دی تو ہم نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ آپ نے ہم سے ان شرائط پر بیعت لی کہ ''ہم پسندیدہ اور ناپسندیدہ کاموں میں، مشکل اور آسانی (کی حالت) میں اور اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دینے کی صورت میں بھی آپ کی اطاعت کریں گے۔ اور ہم کسی حاکم کے ساتھ اس کے منصب میں تنازع نہ کریں گے، مگر جب تک کہ وہ کفرِ

بواح (کھلم کھلا کفر) کا ارتکاب نہ کرے، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس واضح دلیل ہو۔''

اور خلیفہ کے لیے بیعت مسلمانوں کی طرف سے ہوگی اور وہ ان کا حق ہے۔ وہی بیعت کرتے ہیں اور انہی کی بیعت سے خلیفہ کی خلافت کا معاہدہ مکمل ہوتا ہے۔ بیعت ہاتھ کے مصافحہ یا تحریر سے بھی ہوسکتی ہے۔ عبد اللہ بن دینار بیان کرتے ہیں: ''میں نے اس وقت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا جب لوگوں نے عبدالملک بن مروان کو امیر المؤمنین بنانے پر اتفاق کیا۔ تب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ تحریر لکھی کہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کے مطابق حسبِ استطاعت امیر المؤمنین، اللہ کے غلام (بندہ)، عبدالملک کی سمع اور اطاعت کا اقرار کرتا ہوں۔''

شرعاً بیعت کسی بھی ذریعے سے کی جاسکتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ بیعت بالغ شخص کرے کیونکہ بچوں کی بیعت درست نہیں۔ ابو عقیل زہرہ بن معبد اپنے دادا عبداللہ بن ھشام سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی ﷺ کا عہد پایا۔ ان کی والدہ زینب بنت حمید انہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس لائیں اور آپ ﷺ سے کہا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! اس سے بیعت لے لیجیے۔'' نبی ﷺ نے فرمایا: ''یہ ابھی چھوٹا ہے۔'' اور آپ ﷺ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اس کے لیے دعا کی۔''

جہاں تک بیعت کے الفاظ کا تعلق ہے، تو اس کے لیے مخصوص الفاظ کی کوئی قید نہیں۔ لیکن خلیفہ کے لیے ضروری ہے کہ اس کے الفاظ کتاب وسنت کی پیروی پر مشتمل ہوں اور بیعت کرنے والے کے الفاظ تنگی وخوشحالی، پسندیدہ اور ناپسندیدہ حالات میں اطاعت وفرمانبرداری پر مشتمل ہوں۔ جب بیعت کرنے والا شخص خلیفہ کی بیعت کرے یا دوسرے مسلمانوں کی بیعت سے خلیفہ کی خلافت قائم ہو جائے تو اب بیعت کرنے والے شخص کی گردن پر بیعت ایک امانت ہے، اور اس کے پاس اس سے انحراف کا کوئی جواز نہیں۔ بیعت سے قبل یہ ایک حق ہے، لیکن یہ حق جب وہ کسی کو دے دے تو پھر وہ اس کا پابند ہو جاتا ہے۔ اب اگر وہ انحراف کرنا بھی چاہے تو اس کی اجازت نہیں۔ بخاری نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

(اَنَّ اَعۡرَابِيًّا بَايَعَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَلَی الۡاِسۡلَامِ فَاَصَابَهُ وَعُكٌ فَقَالَ : اَقِلۡنِیۡ بَیعَتِی، فَاَبیٰ، ثُمَّ جَآءَ هُ فَقَالَ: اَقِلۡنِیۡ بَیعَتِی، فَاَبیٰ، فَخَرَجَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیۡهِ وَآلِه وَسَلَّمَ: "اَلۡمَدِینَةُ کَالۡکِیرِ تَنۡفِیۡ خَبۡثَهَا وَتَنۡصَعُ طِیبَهَا")

''ایک اعرابی (دیہاتی) نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اسے بخار ہو گیا تو اس نے کہا: ''میری بیعت واپس کریں۔'' آپ ﷺ نے انکار کر دیا۔ وہ دوبارہ آیا اور کہا: ''میری بیعت واپس کر دیجیے۔'' آپ ﷺ نے انکار کر دیا۔ وہ نکلا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''مدینہ بھٹی کی مانند ہے' خبیث چیزوں کو نکال دیتا ہے اور پاکیزہ اور اچھی چیزوں کو نکھار دیتا ہے۔''

نافع سے منقول ہے کہ مجھ سے ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

(مَنۡ خَلَعَ یَدًا مِّنۡ طَاعَةٍ ' لَقِیَ اللّٰهَ یَومَ الۡقِیَامَةِ ' لَاحُجَّةَ لَهُ)

''جس نے اطاعت سے ہاتھ کھینچ لیا وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملے گا کہ اس کے پاس کوئی حجت نہیں ہو گی۔''

خلیفہ کی بیعت توڑنا اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے ہاتھ کھینچ لینے کے مترادف ہے۔ لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ جب اُس خلیفہ کی ''بیعتِ انعقاد'' اور ''بیعتِ اطاعت'' سے رجوع کیا جائے، جسے مسلمانوں نے بحیثیتِ خلیفہ قبول کر لیا ہو اور اسے بیعت دے دی ہو۔ لیکن جب کوئی کسی شخص کی ابتدائی طور پر بیعت کر لے لیکن خلافت کے لیے اس شخص کی بیعت مکمل نہ ہو سکی تو اس صورت میں بیعت دینے والے کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی بیعت سے رجوع کر لے۔ کیونکہ مسلمانوں نے مجموعی طور پر اسے قبول ہی نہیں کیا۔ مذکورہ حدیث میں خلیفہ کی بیعت سے رجوع کرنے سے منع کیا گیا ہے، نہ کہ ایسے شخص کی بیعت سے رجوع کرنے سے منع کیا گیا ہے، جس کی خلافت پایۂ تکمیل تک ہی نہ پہنچی ہو۔

خلیفہ کے لیے درکار شرائط

مندرجہ ذیل سات شرائط خلیفہ کا اہل بننے کے لیے ضروری ہیں اور صرف یہی خلافت کی ''شروطِ انعقاد'' ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی ایک شرط بھی پوری نہ ہو تو وہ شخص خلیفہ نہیں بن سکتا۔ وہ سات شرائط یہ ہیں:

(1) وہ مسلمان ہو۔ کسی بھی صورت میں کافر خلافت کا اہل نہیں ہوسکتا اور نہ اس کی اطاعت فرض ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلاً﴾

''اور اللہ تعالیٰ نے ہرگز کافروں کو مؤمنوں پر کوئی راستہ (اختیار یا غلبہ) نہیں دیا۔'' (النساء:141)

اور حکومت میں حاکم کو محکوم پر غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ آیت میں لفظ ''لن'' (ہرگز نہیں)، جو کہ ابدی نفی کے لیے استعمال ہوتا ہے، درحقیقت اس بات کی حتمی ممانعت (نہی جازم) کے لیے قرینہ ہے، کہ کوئی کافر کبھی حکومت پر مسلط نہ ہو سکے۔ خواہ وہ خلافت کا عہدہ ہو یا اس سے نچلا کوئی اور حکومتی عہدہ۔

(2) وہ مرد ہو۔ عورت کا خلیفہ ہونا کبھی بھی صحیح نہیں ہے۔ یعنی خلیفہ کے لیے مرد ہونا ضروری ہے، ایک عورت خلیفہ نہیں ہو سکتی۔ اس کی دلیل ابو بکرہؓ کی وہ روایت ہے جسے بخاری نے روایت کیا ہے:

''مجھے رسول اللہ ﷺ کے فرمان نے اس وقت فائدہ دیا جب میں اصحابِ جنگِ جمل میں شامل ہو کر عائشہؓ کے ساتھ والے لوگوں کے ہمراہ مل کر جنگ کرنے والا تھا۔ آپ ﷺ نے یہ ارشاد اس وقت فرمایا

جب آپ ﷺ کو یہ خبر ملی کہ اہلِ فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنی ملکہ بنالیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

(لَن يُّفْلِحَ قَومٌ وَّلَّوا اَمْرَهُمْ اِمرَاَةً)

''وہ قوم کبھی فلاح نہیں پاسکتی جو عورت کو اپنا حکمران بنالے۔''

رسول اللہ ﷺ کا عورت کو حکمران بنانے والی قوم کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ فلاح نہیں پائے گی، دراصل اسے حکمران بنانے کی ممانعت (نہی) ہے۔ پیشگوئی میں عورت کو حکمران بنانے والوں کی اس طرح ملامت کی گئی ہے کہ وہ کامیاب نہیں ہوسکتے۔ یہ مذمت قطعی ممانعت (نہی جازم) کا قرینہ ہے۔ یہاں عورت کی حکمرانی کی ممانعت ایسی دلیل کے ساتھ کی گئی ہے جس کا قرینہ قطعی ممانعت (نہی جازم) کا تقاضا کرتا ہے۔ چنانچہ عورت کو حکمران بنانا حرام ہے۔ حکومت سے مراد خلافت اور حکومت کے دیگر مناصب ہیں۔ کیونکہ حدیث کا موضوع کسریٰ کی بیٹی کو حکمران بنانا ہے۔ اس لیے یہ حکم اس موضوع کے ساتھ خاص ہے۔ البتہ یہ حکم کسریٰ کی بیٹی کے واقعہ کے ساتھ خاص نہیں۔ مراد یہ ہے کہ حکومت کے علاوہ باقی مناصب پر ممانعت کے اس حکم کا اطلاق نہیں ہوتا تاہم یہ ممانعت ہر عورت کے لیے ہے۔

(3) وہ بالغ ہو، یہ جائز نہیں کہ وہ بچہ ہو۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(رُفِعَ القَلَمُ عَن ثَلاثَةٍ عَنِ النَّائِم حَتّٰى يَستَيقِظَ وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يَكبُرَ وَعَنِ المُبْتَلٰى حَتّٰى يَعْقِلَ)

''تین افراد سے قلم اٹھالیا گیا ہے۔سوئے ہوئے (شخص) سے، جب تک کہ وہ بیدار نہ ہو۔ بچے سے جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو۔ اور مجنون سے، جب تک کہ اس کی عقل واپس نہ لوٹ آئے۔''

اور جس شخص سے قلم اٹھالیا جائے (ذمہ داری ہٹالی گئی) تو وہ اپنے ذاتی اعمال کا بھی ذمہ دار نہیں ہے۔ جب وہ شرعی طور پر مکلّف (ذمہ دار) ہی نہیں ہے تو یہ درست نہیں کہ وہ خلیفہ بن سکے یا اس سے نچلے کسی حکومتی عہدے پر بھی فائز ہوسکے۔ کیونکہ وہ تصرّفات (معاملات کو نمٹانے) کی قدرت

ہی نہیں رکھتا۔ اس ضمن میں دوسری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بچے سے بیعت لینے سے انکار کردیا۔ آپ ﷺ نے عبداللہ بن ھشام کی بیعت سے انکار کیا اور فرمایا کہ یہ بچہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: (هُوَ صَغِيرٌ) ''وہ چھوٹا ہے۔'' جب بچے کی بیعت ہی درست نہیں ہے اور نہ اسے کسی خلیفہ کی بیعت کرنے کی اجازت ہے تو اس کا خود خلیفہ بن جانا بدرجۂ اُولیٰ درست نہیں ہے۔

(4) وہ عاقل ہو، یہ درست نہیں کہ کسی غیر عاقل (مجنون) کو اس منصب پر فائز کیا جائے۔ اس کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے: (رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ) ''تین افراد سے قلم اٹھالیا گیا ہے اور فرمایا: (عَنِ الْمُبْتَلٰى حَتَّى يَعْقِلَ) ''مجنون سے اس کی عقل کے لوٹنے تک۔'' چنانچہ جس سے قلم اٹھالیا جائے وہ مکلّف نہیں رہتا۔ کیونکہ عقل ہی پر تمام شرعی ذمہ داریوں کا دارو مدار ہے اور یہی تصرّفات (معاملات) کی درستی کی بھی شرط ہے۔ اور خلیفہ کا کام ہی حکومت کو چلانا اور تمام شرعی احکامات کو نافذ کرنا ہے۔ پس یہ کسی صورت میں درست نہیں کہ وہ مجنون ہو۔

(5) وہ عادل ہو۔ فاسق کا خلیفہ ہونا کسی بھی صورت درست نہیں۔ 'عدالت' ''انعقادِ خلافت'' اور ''دوامِ خلافت'' دونوں کے لیے لازمی شرط ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے گواہ کے لیے بھی عادل ہونے کی شرط رکھی ہے: (وَاَشْهِدُوا ذَوَىْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ) ''اور اپنے میں سے دو عادل لوگوں کو گواہ بناؤ۔'' اور جو شخص فیصلہ صادر کرے تو اسے بطریقۂ اُولیٰ عادل ہونا چاہیے۔ پس جب گواہ کے لیے عادل ہونا شرط ہے تو خلیفہ کے لیے تو یہ شرط بدرجۂ اُولیٰ ہے۔

(6) وہ آزاد ہو۔ کیونکہ غلام اپنے آقا کی ملکیت میں ہوتا ہے۔ وہ خود اپنے معاملات کا بھی مالک نہیں تو دوسروں کے معاملات کا تو بدرجۂ اُولیٰ مالک نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا وہ لوگوں پر حکومت کرنے کا اہل نہیں۔

(7) وہ خلافت کی ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے پر قدرت رکھتا ہو۔ کیونکہ بیعت کا یہی تقاضا ہے۔ لہٰذا خلافت کا بوجھ اٹھانے سے عاجز شخص کا خلیفہ ہونا درست نہیں۔

یہ ہیں خلافت کے انعقاد کی شرائط! ان سات شرائط کے علاوہ کوئی بھی شرط انعقاد کی شرط

نہیں۔ ممکن ہے وہ افضلیت کی شرط ہو، جبکہ اس کے بارے میں صحیح دلائل موجود ہوں، یا وہ کسی ایسے شرعی حکم کے ضمن میں بیان ہوئی ہو، جو صحیح دلیل سے ثابت ہو۔ یہ اس لیے کہ کسی شرط کو ''شرطِ انعقاد'' صرف اس صورت میں کہا جا سکتا ہے جب اس شرط کی دلیل قطعی تقاضے کے ساتھ (طلبِ جازم کے ساتھ) وارد ہوئی ہو۔ تا کہ وہ اس دلیل کے لازمی ہونے کا قرینہ بن سکے۔ اور اگر اس شرط کی دلیل میں قطعی تقاضا (طلبِ جازم) موجود نہ ہو تو اس صورت میں وہ شرط افضلیت کی شرط ہوگی، انعقاد کی نہیں۔ ہم نے ان سات شرائط کے علاوہ کسی شرط کی دلیل کو قطعی تقاضے والی (طلبِ جازم کے ساتھ) نہیں پایا۔ لہٰذا صرف یہی انعقادی شرائط ہیں۔ البتہ ان کے علاوہ جن شرائط کے بارے میں صحیح مگر غیر قطعی دلائل موجود ہیں تو وہ صرف شروطِ افضلیت ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انعقادِ خلافت کے لیے خلیفہ کا مجتہد ہونا ضروری نہیں، کیونکہ اس بارے میں کوئی صحیح دلیل موجود نہیں۔ علاوہ ازیں خلیفہ کا کام حکومت کرنا ہے، اس لیے اسے مجتہد ہونے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ حکمِ شرعی کے بارے میں پوچھ سکتا ہے اور کسی مجتہد کی تقلید کر کے اس تقلید کی بنیاد پر احکامات ''تبنی'' (اختیار) کر سکتا ہے۔ ہاں! اگر وہ مجتہد ہو تو یہ زیادہ افضل ہے، لیکن لازمی نہیں۔ اگر وہ مجتہد نہیں تو پھر بھی خلیفہ ہو سکتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی کوئی شرط نہیں کہ خلیفہ جری اور شجاع ہو یا مفادات کے تحفظ اور رعایا کے معاملات کی تدبیر کے لیے سیاست پر اس کی انتہائی گہری نظر ہو۔ کیونکہ اس بارے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ملی اور نہ کسی شرعی حکم کے ضمن میں اس کا تذکرہ ہوا، جو اسے 'شرطِ انعقاد' کی حیثیت دے سکے۔ البتہ اس کا بہادر اور صاحبِ فہم و بصیرت ہونا بہتر ہے۔ اسی طرح اس کا قریشی ہونا بھی شروطِ انعقاد میں سے نہیں۔ بخاری میں امیر معاویہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

(اِنَّ ھٰذَاالا مَرَ فِی قُرَیشٍ لَا یُعَادِیھِمْ أَحَدٌ اِلَّا کَبَّہُ اللّٰہُ عَلٰی وَجْھِہٖ مَا اَقَامُوا الدِّینَ)

''جب تک کہ قریش دین کو قائم رکھیں گے، اُس وقت تک یہ معاملہ (خلافت) ان میں رہے گا۔ اور جو کوئی بھی ان سے دشمنی کرے گا اسے اللہ تعالیٰ اوندھے منہ جہنم میں پھینکے گا۔''

اسی طرح بخاری ہی میں ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(لَایَزَالُ ھٰذَاالا مَرُ فِی قُرَیشٍ مَا بَقِیَ مِنھُمُ اثْنَانِ)

''یہ معاملہ (خلافت) اس وقت تک قریش میں رہے گا جب تک ان میں دو شخص بھی باقی رہیں گے۔''

یہ اور اس جیسی دوسری احادیث، جن کی سند رسول اللہ ﷺ تک صحیح ہے، اور جن میں بتایا گیا ہے کہ اقتدار قریش کے ہاتھ میں رہے گا، ان احادیث میں خبر کا انداز ہے۔ ان میں سے کسی ایک حدیث کا انداز بھی حکم کا نہیں۔ کسی بھی حدیث میں حکم کا اسلوب نہیں۔ اور خبر اگرچہ حکم (طلب) کا فائدہ دیتی ہے لیکن اسے قطعی (طلبِ جازم) نہیں سمجھا جاتا، جب تک کہ کوئی ایسا قرینہ نہ ہو، جو حکم میں تاکید (جزم) کا فائدہ دیتا ہو۔ چنانچہ ان احادیث میں کوئی ایسا قرینہ نہیں اور کسی ایک بھی صحیح حدیث میں ایسا نہیں۔ پس معلوم ہوا کہ یہ مندوب ہے فرض نہیں۔ چنانچہ یہ افضلیت کی شرط ہے، انعقاد کی نہیں۔ جہاں تک نبی ﷺ کے اس ارشاد کا تعلق ہے کہ: (لَایُعَادِیھِم احَدٌ اِلَّا کَبَّہُ اللّٰہُ) '' جو بھی ان سے دشمنی کرے گا، اللہ اسے اوندھے منہ جہنم میں پھینکے گا۔'' اس میں آپ ﷺ نے قریش کے ساتھ دشمنی سے منع کیا ہے اور یہ پہلی بات یعنی'' یہ معاملہ قریش میں ہے'' کی تاکید نہیں۔ پس ان احادیث کی رُو سے حکومت قریش میں بھی ہے اور اس کے ساتھ دشمنی کرنے کی ممانعت بھی ہے۔ اور لفظ 'قریش' اسم ہے صفت نہیں۔ اصول کی اصطلاح میں اسے ''لقب'' کہا جاتا ہے۔ اسمِ لقب کے مفہوم پر کسی بھی صورت عمل نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اسمِ لقب کا کوئی عقلی مفہوم نہیں ہوتا۔ اس لیے قریش میں خلافت ہونے کے بارے میں نص کا یہ مطلب نہیں کہ یہ قریش کے علاوہ کسی دوسرے کے پاس نہیں ہو سکتی۔ نبی ﷺ کے فرمان: ''یہ معاملہ قریش میں ہے''، ''اور یہ معاملہ قریش میں ہوگا'' کا یہ مطلب نہیں کہ یہ حکومت کا معاملہ قریش کے علاوہ کسی اور میں ہونا درست نہیں۔ اس معاملے کا قریش میں ہونے کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ ان کے علاوہ خلیفہ کا کسی اور سے ہونا جائز نہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ خلافت ان میں رہے گی اور یہ بھی درست ہے کہ وہ ان کے علاوہ کسی اور میں بھی ہو سکتی ہے۔ لٰہذا یہ قول کہ'' خلافت ان میں ہے۔'' دوسروں میں خلافت کے ہونے کی ممانعت نہیں کرتی۔ چنانچہ یہ شرط بھی افضلیت کی ہے انعقاد کی نہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن رواحہ، زید بن حارثہ اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو امارت سونپی تو یہ سبھی لوگ قریش میں سے نہیں تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غیر قریشی کو امیر بنایا۔ ''ھٰذا الا مرُ'' یعنی یہ معاملہ کے الفاظ کا مطلب امارت ہے اور یہ الفاظ صرف خلافت ہی پر دلالت نہیں کرتے۔ جب نبی ﷺ نے غیر قریشی کو امارت سونپی تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امارت صرف انہی میں محصور نہیں ہے اور نہ باقی لوگوں کو اس سے محروم کیا گیا ہے۔ اور بخاری کی روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

(اِسمَعُوا وَاَطِیعُوا وَاِن استُعمِلَ عَلیکُم عَبدٌ حَبَشِیٌّ ' کَأَنَّ رَأسَهُ زَبِیبَةٌ)
''سنو اور اطاعت کرو اگرچہ کسی کالے حبشی کو تم پر عامل مقرر کر دیا جائے جس کا سر کشمش کی طرح کا ہو۔''

مسلم نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا: ''میرے محبوب ﷺ نے مجھے وصیت کی ہے کہ میں (امیر کی) اطاعت کروں چاہے وہ بازو اور ٹانگوں سے شل حبشی ہی کیوں نہ ہو۔'' حدیث یوں ہے: (اِنَّ خَلِیلِی ﷺ اَوصَانِیُ اَن اَسمَعَ وَاُطِیعَ ' وَاِن کَانَ عَبدًا مُجدَعَ الاَطرَافِ) اور دوسری روایت میں ہے: (اِن اُمِرَ عَلَیکُم عَبدٌ مُجدَّعٌ اَسوَدُ یَقُودُ کُم بِکِتَابِ اللّٰهِ فَاسمَعُوا لَهُ وَاَطِیعُوا) ''اگر نکٹا کالا حبشی بھی تم پر امیر مقرر کر دیا جائے جو اللہ کی کتاب کے ذریعے تمہاری رہنمائی کرے تو اس کی بات سنو اور اطاعت کرو۔''

یہ احادیث اس بارے میں واضح ہیں کہ ایک سیاہ فام کو مسلمانوں کا حکمران بنانا جائز ہے۔ چنانچہ یہ احادیث اس بات پر واضح دلالت کرتی ہیں کہ خلافت اور مسلمانوں کی حکومت قریش بلکہ عرب کے علاوہ دوسرے لوگوں کو بھی دی جاسکتی ہے۔ محولہ بالا احادیث خلافت کے لیے بعض افراد کی افضلیت پر دلالت کرتی ہیں تو ان کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ خلافت صرف انہی میں محصور ہے، باقی اور لوگوں میں خلافت کے قیام کی اجازت نہیں۔ اور اسی طرح یہ بھی شرط نہیں کہ خلیفہ ہاشمی یا علوی (علی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے) ہو۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو ہاشم اور بنو علی کے علاوہ باقی لوگوں کو بھی حکومت کی ذمہ داری سونپی تھی۔ جب آپ ﷺ تبوک روانہ ہوئے تو آپ ﷺ نے مدینہ

پر محمد بن سلمہ رضی اللہ عنہ کو حاکم بنایا حالانکہ وہ ہاشمی تھے نہ علوی۔ اسی طرح آپ ﷺ نے یمن میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو والی بنایا، وہ دونوں بھی ہاشمی یا علوی نہیں تھے۔ اور قطعی دلیل سے یہ بات ثابت ہے کہ مسلمانوں نے ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کی بیعت کی، اور علی رضی اللہ عنہ نے بھی ان میں سے ہر ایک کی بیعت کی، باوجودیکہ یہ سب بنو ہاشم میں سے نہ تھے۔ اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اس بات پر خاموش رہے۔ کسی بھی صحابی کے بارے میں یہ منقول نہیں کہ انہوں نے فقط اس وجہ سے ان کی بیعت سے انکار کیا ہو کہ وہ ہاشمی اور علوی نہیں ہیں۔ پس یہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع تھا کہ خلیفہ غیر ہاشمی اور غیر علوی بھی ہوسکتا ہے۔ ان صحابہ میں علی رضی اللہ عنہ، عباس رضی اللہ عنہ اور تمام بنو ہاشم بھی شامل تھے۔ جہاں تک ان احادیث کا تعلق ہے جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور اہلِ بیت کی افضلیت کے بارے میں وارد ہوئی ہیں، تو وہ صرف ان کی افضلیت پر دلالت کرتی ہیں، نہ کہ وہ اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ خلیفہ صرف انہی میں سے ہوسکتا ہے۔

یہاں یہ بات واضح ہوگئی کہ مندرجہ بالا سات شروطِ انعقاد کے علاوہ کسی دوسری شرط کے لیے کوئی دلیل موجود نہیں۔ ان کے علاوہ باقی تمام شرائط اگر صحیح دلائل سے ثابت ہوں یا صحیح دلائل سے ثابت شدہ احکامات کے ضمن میں بیان ہوں تو وہ شروطِ افضلیت تو بن سکتی ہیں، نہ کہ شروطِ انعقاد۔ خلیفہ کے لیے شروطِ انعقاد کا پایا جانا شرعاً لازمی ہے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں سے کہا جاسکتا ہے کہ وہ خلافت کے امیدواروں میں سے افضل کا انتخاب کرلیں۔ لیکن وہ جس شخص کو بھی منتخب کرلیں تو وہ خلیفہ ہوگا، اگر چہ اس میں صرف انعقادی شرائط ہی پائی جائیں۔ بے شک ان کے علاوہ کوئی بھی اور شرط نہ پائی جاتی ہو۔

خلافت کے لیے امیدوار بننا

خلافت کا امیدوار بننا اور اس کے لیے مقابلہ کرنا تمام مسلمانوں کے لیے جائز ہے اور یہ مکروہ بھی نہیں۔ خلافت کے لیے مقابلہ بازی کی ممانعت کی کوئی دلیل نہیں۔ یہ بات ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ان کے بستر پر بغیر تدفین کے لٹایا گیا اور مسلمان سقیفہ بنو ساعدہ میں خلافت کے مسئلے پر بحث مباحثہ کرتے رہے۔ اسی طرح یہ بھی ثابت ہے کہ چھ اصحابِ شوریٰ، جو اکابر صحابہ میں سے تھے، تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے خلافت کے لیے (ایک دوسرے کے سامنے) کھڑے تھے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی ان کی مذمت نہیں کی، اور اس بحث پر اتفاق کیا۔ یہ اَمر خلافت کے حصول کے لیے مقابلے کے (جواز کے بارے میں) صحابہؓ کے اجماع پر دلالت کرتا ہے۔ اور اس بات پر بھی کہ خلافت کا امیدوار بھی بنا جا سکتا ہے، اس کے لیے جستجو بھی کی جا سکتی ہے، نیز اس کے حصول کی خاطر ایک دوسرے کی رائے کا جواب دینا اور دلائل پیش کرنا بھی جائز ہے۔ اور احادیث میں امارت طلب کرنے سے جو ممانعت آئی ہے، وہ کمزور لوگوں کے بارے میں ہے، جو حکمرانی کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں، جیسا کہ ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ تھے۔ جو لوگ امارت کی صلاحیت رکھتے ہیں تو ان کے لیے امارت طلب کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے خود رسول اللہ ﷺ سے اس کا مطالبہ کیا تھا اور آپ ﷺ نے انہیں والی بنایا۔ چنانچہ امارت طلب کرنے سے ممانعت کے بارے میں جتنی بھی احادیث ملتی ہیں، وہ ایسے افراد کے ساتھ مخصوص ہیں، جو اس کی قابلیت نہیں رکھتے تھے۔ خواہ یہ خلافت ہو یا کوئی اور امارت۔ جو شخص حکمرانی کا اہل تھا، رسول اللہ ﷺ نے اس کے مطالبے پر انکار نہیں کیا، بلکہ اسے حاکم بنایا۔ جب دونوں طرح کی احادیث ملتی ہیں کہ آپ ﷺ نے ایک طرف تو مطالبہ کرنے پر امارت دے دی اور دوسری طرف امارت طلب کرنے پر منع فرمایا تو معلوم ہوا کہ ممانعت عام نہیں، بلکہ اس کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ یہ اُن لوگوں کے لیے ہے جو اس کی قابلیت نہیں رکھتے۔

وحدتِ خلافت

یہ بات مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ ایک ہی ملک میں رہیں اور اُن کا ایک ہی خلیفہ ہو نہ کہ ایک سے زیادہ؛ اور یہ شرعاً حرام ہے کہ مسلمانوں کے ایک سے زیادہ ملک ہوں یا اُن پر ایک سے زیادہ خلیفہ ہوں۔

اسی طرح مسلمانوں پر یہ بھی فرض ہے کہ اُن کی ریاستِ خلافت میں حکومت کا نظام وحدت پر مبنی ہو نہ کہ وفاقی (Federal)، کیونکہ مسلم نے عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((...ومن بايع اماماً فأعطاه صفقة يدهٖ ، و ثمرة قلبهٖ، فليطعه إن إستطاع. فإن جاء آخر ينازعه فاضربوه عنق الآخر))

''جو کوئی ایک امام کے ہاتھ پر صدقِ دل سے بیعت دے دے، پس اسے چاہئے کہ وہ حسبِ استطاعت اسکی اطاعت کرے، اور اگر کوئی دوسرا آ کر خلیفہ سے تنازعہ کرے، تو اسکی گردن اُڑا دو''

اس کے علاوہ مسلم نے عرفجہ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((من أتاكم و أمرُكم جميعٌ على رجل واحد، يريد أن يشق عصاكم، أو يفرِّق جماعتكم، فأقتلوه))

''جب تمہارے معاملات ایک شخص پر مجتمع ہوں، اور کوئی شخص تمہارے پاس آ کر تمہاری وحدت کو توڑنے یا تمہاری جماعت میں تفریق پیدا کرنے کی کوشش کرے، تو اُسے قتل کر دو''

نیز مسلم نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((إذا بُويع لخليفتين فأقتلوا الآخر منهما))

''اگر دو خلفاء کی بیعت ہو جائے تو دوسرے کو قتل کر دو''

اسی طرح مسلم نے ابو حازم کی روایت نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں پانچ سال ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہا اور میں نے اُن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((كانت بنو إسرائيل تسوسهم الأنبياء ، كلما هلك نبي خلفه نبي، وإنه لا نبي بعدي ، وستكون خلفاء فتكثر ، قالوا: فما تأمرنا؟ قال: فُوا ببيعة الأول فالأول، وأعطوهم حقهم، فإن الله سائلهم عما استرعاهم))

''بنی اسرائیل کی سیاست (امور کی دیکھ بھال) انبیاء کیا کرتے تھے۔ جب کوئی نبی وفات پاتا تو دوسرا نبی اس کی جگہ لے لیتا جبکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے، بلکہ بڑی کثرت سے خلفاء ہوں گے۔ صحابہ نے پوچھا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم ایک کے بعد دوسرے کی بیعت کو پورا کرو اور ان کا حق انہیں ادا کرو۔ جبکہ اللہ تعالیٰ اُن سے ان کی رعیت کے بارے میں پوچھے گا جو اُس نے انہیں دی''

لہٰذا پہلی حدیث سے یہ واضح ہوا کہ جب کسی کی امامت یا خلافت طے ہو جائے تو اُس کی اطاعت فرض ہو جاتی ہے اور ایسے میں اگر کوئی دوسرا شخص آ کر اُس کی خلافت کے متعلق تنازعہ کرے اور اپنے اِس تنازعہ سے رجوع نہ کرے تو اُس سے لڑنا اور اسے قتل کر دینا واجب ہو جاتا ہے۔

دوسری حدیث یہ بیان کرتی ہے کہ جب مسلمان ایک خلیفہ کی امارت تلے ایک جماعت کی شکل میں اکٹھے ہو چکے ہوں، اور کوئی شخص آ کر اس وحدت میں رخنہ اور جماعت میں پھوٹ ڈالے تو اُس کا قتل کر دیا جانا فرض ہوتا ہے۔ ان دونوں احادیث میں یہ مفہوم موجود ہے کہ مسلمانوں کی ریاست کے حصے بخرے کرنا منع ہے اور یہ تاکید کی گئی ہے کہ اس وحدت و ریاست کی تقسیم کی معافی نہیں ہے، یہ بات ممنوع ہے چاہے اس تقسیم کو تلوار کے زور سے ہی روکنا پڑے۔

تیسری حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ ریاست میں خلیفہ کے؛ موت کے سبب، اسے معزول کئے جانے کی وجہ سے، یا پھر خود اُس کے ہٹ جانے کے باعث، اگر دو اشخاص پر بیعت ہو جاتی ہے تو اُس دوسرے شخص کو قتل کر دیا جائے، یعنی خلیفہ وہ ہو گا جسے پہلے صحیح بیعت دے دی گئی ہو اور

دوسرے شخص کو، اگر وہ خلافت کے دعوے سے دستبردار نہیں ہوتا، قتل کردیا جائے۔ لہٰذا یہ اور بھی اولیٰ ہوا کہ اگر دو سے زیادہ پر بیعت ہو جائے تو پہلے شخص کے ماسوا دیگر تمام کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا جائے۔ یہ ریاست کے ایک سے زیادہ ہونے کی ممانعت کیلئے کنایہ ہے۔ یعنی یہ حرام ہے کہ مسلمانوں کی ریاست کو تقسیم کر کے کئی ریاستیں بنادی جائیں بلکہ یہ لازمی ہے کہ مسلمانوں کی ریاست ایک ہی رہے۔

چوتھی حدیث اس بات کیلئے ثبوت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کثیر تعداد میں خلفاء ہوں گے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب دریافت کیا کہ جب بہت سے خلفاء ہوں گے تو ہم کیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس کو سب سے پہلے بیعت دی گئی ہو اُس سے اپنی بیعت کا ایفاء کرو۔ کیونکہ وہی شرعی خلیفہ ہے اور اطاعت صرف اس ہی کی کی جاسکتی ہے نہ کہ باقیوں کی، جن کی بیعت باطل اور غیر شرعی ہوگی۔ اس لئے کہ مسلمانوں کے ایک خلیفہ کی موجودگی میں دوسرے کو بیعت دینا جائز ہی نہیں ہے۔ یہ حدیث بھی ایک ہی خلیفہ کی اطاعت کی فرضیت کیلئے دلیل ہے، اور یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ مسلمانوں کیلئے یہ جائز نہیں کہ اُن کے ایک سے زیادہ خلیفہ ہوں یا مسلمانوں کی ایک سے زیادہ ریاستیں ہو۔

ولی عہدی یا جانشینی

کسی کو ولی عہد یا جانشین بنانے سے اس کی خلافت قائم نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ مسلمانوں اور خلیفہ کے درمیان ایک معاہدہ ہے۔ مسلمانوں کا بیعت کرنا اور جس شخص کی وہ بیعت کریں، اسکا اسے قبول کرنا، اس معاہدے کی لازمی شرائط ہیں۔ کسی کو اپنا ولی عہد یا جانشین نامزد کرنے سے یہ شرط پوری نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس سے خلافت قائم نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح خلیفہ کا اپنے بعد دوسرے کو خلیفہ مقرر کرنے سے خلافت کا معاہدہ وقوع پذیر نہیں ہوتا۔ اسے خلافت کا معاہدہ کرنے کا حق ہی نہیں کیونکہ یہ مسلمانوں کا حق ہے، خلیفہ کا نہیں۔ انہیں اختیار ہے کہ جس سے چاہیں، خلافت کا معاہدہ کریں۔ چنانچہ اپنا خلیفہ یا ولی عہد مقرر کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ یہ ایسی چیز سونپنا ہے جس کا ایک شخص مالک ہی نہیں۔ اور کسی بھی شخص کے لیے ایسی چیز کو دینا، جو اس کی ملکیت میں نہ ہو، جائز نہیں۔ اس لیے ایک خلیفہ کے لیے دوسرے شخص کو اپنا خلیفہ بنانا، خواہ وہ اس کا بیٹا ہو یا قریبی رشتہ دار یا کوئی اور شخص، قطعاً جائز نہیں، اور نہ اس سے خلافت قائم ہوسکتی ہے۔ کیونکہ یہ عقد اس کی طرف سے ہوا ہی نہیں جو اِس حق کا مالک ہے۔ لہٰذا ایسا عقد ''عقدِ فضولی'' ہے جو درست نہیں۔ جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے بعد خلیفہ مقرر کیا اور عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد چھ افراد کو مقرر کیا اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہ خاموش رہے اور انہوں نے اس کی مذمت بھی نہیں کی، اور یہ سکوت ان کا اجماع (اجماعِ سکوتی) تھا، تو یہ جانشین مقرر کرنے (کے جواز) کی کوئی دلیل نہیں۔ اس لیے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بذاتِ خود اپنے بعد خلیفہ مقرر نہیں کیا تھا، بلکہ مسلمانوں سے مشورہ کیا کہ وہ کسے خلیفہ بنانا چاہتے ہیں؟ پھر اس کے نتیجے میں ابوبکر رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کو نامزد کر دیا۔ اس کے بعد لوگوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زندگی ہی

میں تین ماہ کے دوران اکثریت کے ساتھ عمر رضی اللہ عنہ کو منتخب کرلیا۔ پھر لوگوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی، تب جا کر عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت قائم ہوئی۔ بیعت سے پہلے عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ نہیں تھے اور نہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نامزدگی اور مسلمانوں کے انتخاب سے خود بخود ان کی خلافت قائم ہوئی تھی۔ بلکہ یہ خلافت اس وقت قائم ہوئی تھی جب مسلمانوں نے آپؓ کی بیعت کی اور عمر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ بننا قبول کیا۔ اور عمر رضی اللہ عنہ نے جن چھ افراد کو مقرر کیا تھا تو وہ مسلمانوں کی درخواست پر کیا تھا۔ پھر علی رضی اللہ عنہ کو اس شرط پر خلیفہ منتخب کیا کہ وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کے طریقے پر کاربند رہیں گے، بصورتِ دیگر (یعنی اس شرط پر علیؓ کے انکار کی صورت میں) عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنیں گے۔ جب علی رضی اللہ عنہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے طریقے پر کاربند رہنے کی پابندی کو قبول کرنے سے معذرت کی تو عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کی (اسی شرط پر) بیعت کرلی۔ چنانچہ دوسرے لوگوں نے بھی پھر ان کی بیعت کی۔ یوں عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت لوگوں کی بیعت سے قائم ہوئی، نہ کہ عمر رضی اللہ عنہ کی نامزدگی سے، اور نہ محض لوگوں کے انتخاب سے۔ اور اگر لوگ ان کی بیعت نہ کرتے یا عثمان رضی اللہ عنہ اسے قبول نہ کرتے تو ان کی خلافت بھی قائم نہ ہوتی۔ چنانچہ خلیفہ کے لیے مسلمانوں کی بیعت ضروری ہے اور خلافت ولی عہد یا جانشین مقرر کرنے سے قائم نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ یہ عقد الولایۃ (حکومت کرنے کا معاہدہ) ہے اور اس پر دیگر شرعی معاہدات کی طرح معاہدات سے متعلق شرعی احکامات کا اطلاق ہوتا ہے۔

خلیفہ کے تقرر کا طریقہ

جب شریعت نے امت پر فرض کیا کہ وہ اپنے اوپر ایک خلیفہ مقرر کرے تو اس کے لیے اُس طریقۂ کار بھی تعین کیا جس کے ذریعے خلیفہ کا تقرر کیا جائے گا۔ یہ طریقۂ کار قرآن وسنت اور اجماعِ صحابہؓ سے ثابت ہے اور یہ طریقہ بیعت کا طریقہ ہے۔ خلیفہ کا تقرر مسلمانوں کی طرف سے کتاب و سنت پر خلیفہ کی بیعت کرنے سے ہوگا۔ جہاں تک بیعت کے طریقۂ کار کا تعلق ہے تو اس کا ثبوت یہ ہے کہ مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی اور آپ ﷺ نے امام (خلیفہ) کی بیعت کا حکم دیا۔ مسلمانوں کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی بیعت نبوت پر بیعت نہ تھی، بلکہ یہ حکومت پر بیعت تھی۔ کیونکہ یہ عمل کی بیعت تھی ایمان کی نہیں۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کی بیعت بطورِ حاکم کی گئی نہ کہ بطورِ نبی اور رسول۔ اس لیے کہ نبوت ورسالت کا اقرار ایمان کہلاتا ہے، بیعت نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی بیعت فقط مملکت کے حاکم کی حیثیت سے کی گئی۔ بیعت کا ذکر قرآن وحدیث میں یوں آیا ہے:

﴿يَآأَيُّهَا النَّبِىُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشرِكْنَ بِااللّٰهِ شَيئًا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهُ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلايَعْصِيْنَكَ فِىْ مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ﴾

''اے نبی ﷺ! جب آپ کے پاس مؤمن عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کے لیے آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی، نہ چوری کریں گی، نہ زنا کریں گی، نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ اپنے ہاتھوں اور ٹانگوں کے درمیان (اپنی طرف) سے بہتان تراشیں گی، اور نہ نیک کاموں میں آپ کی نافرمانی

کریں گی؛ تو آپ ان سے بیعت لے لیجیے‘‘ (الممتحنة:12)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ﴾

’’جولوگ آپ ﷺ کی بیعت کرتے ہیں وہ (دراصل) اللہ کی بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے‘‘ (الفتح: 10)

بخاری نے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا:

(بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ ، فِي الْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ ، وَاَنْ لَّا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهُ ، وَاَنْ نَّقُوْمَ ، اَوْ نَقُوْلَ بِالْحَقِّ حَيْثُمَا كُنَّا لَانَخَافُ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ)

’’ہم نے رسول اللہ ﷺ سے پسند اور ناپسند (دونوں حالتوں میں) سننے اور اطاعت کرنے پر بیعت کی۔ اور اس بات پر کہ ہم اولوالامر کے ساتھ نزاع نہیں کریں گے۔ اور ہم حق کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے، یا حق بات کہہ دیں گے جس حالت میں بھی ہوں۔ اور اللہ کے معاملے میں کسی بھی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔‘‘

اور بخاری نے علی بن عبد اللہ سے، انہوں نے عبد اللہ بن یزید اور انہوں نے سعید بن ابو ایوب سے، انہوں نے ابو عقیل زہرہ بن معبد سے اور انہوں نے اپنے دادا عبد اللہ بن ھشام سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کا زمانہ پایا۔ انہیں ان کی والدہ زینب بنت حمید رسول اللہ ﷺ کے پاس لے کر آئیں اور کہا:

(يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ! بَايِعْهُ ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ’’هُوَ صَغِيْرٌ‘‘ فَمَسَحَ رَأْسَهُ وَدَعَالَهُ)

’’اے اللہ کے رسول ﷺ! اس کی بیعت لیجیے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: یہ چھوٹا ہے، اور آپ ﷺ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اس کے لیے دعا کی۔‘‘

اسی طرح بخاری ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ ہمیں عبدان نے ابو حمزہ سے بیان کیا کہ

انھوں نے اعمش سے، انھوں نے ابوصالح سے اورانھوں نے ابو ہریرہ ؓ سے بیان کیا۔ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(ثَلاثَۃٌ لَایُکَلِّمُھُمُ اللّٰہُ یومَ القِیَامَۃِ وَلَا یُزَکِّیھِم وَلَھُم عَذَابٌ اَلِیمٌ : رَجُلٌ عَلٰی فَضْلِ مَآءٍ بالطَّرِیقِ یَمْنَعُ مِنہُ ابْنَ السَّبِیلِ' وَرَجُلٌ بَایَعَ اِمَامًا لَایُبَایِعُہُ اِلَّا لِدُنیَاہُ' اِنْ اَعطَاہُ مَایُرِیدُ وَفّٰی لَہُ ' وَاِلَّا لَمْ یَفِ لَہُ ' وَرَجُلٌ بَایَعَ رَجُلاً بِسِلْعَۃٍ بَعْدَ العَصْرِ ' فَحَلَفَ بِاللّٰہِ لَقَد اُعْطِیَ بِھَا کَذَا وَکَذَا فَصَدَّقَہُ فَاَخَذَھَا وَلَمْ یُعطَ بِھَا)

''تین (طرح کے) آدمیوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کلام کریں گے اور نہ ان کو پاک کریں گے اوران کے لیے سخت ترین عذاب ہوگا۔ایک وہ شخص، جوراستے میں زائد پانی پر بیٹھ جائے اورلوگوں کوا س سے منع کرے۔دوسراوہ شخص، جوامام کی بیعت صرف اپنی دنیا کی خاطر کرے۔اگروہ اسے وہ کچھ دے، جس کا وہ طلب گار ہے،تواس کی بیعت کوایفاءکرے،اوراگروہ اسے نہ دےتووہ ایفاءنہ کرے۔تیسراوہ شخص، جوکسی شخص کوعصر کے بعدسودادےاورقسم اٹھا کر کہے کہ اسے یہ چیزاتنے میں ملی ہے جبکہ وہ اسے اتنے میں نہ ملی ہو۔اور لینے والااس کی بات کوسچ سمجھ کراس سے وہ سوداخریدلے۔''

یہ تینوں احادیث اس بارے میں واضح ہیں کہ خلیفہ کومقررکرنے کا طریقہ صرف بیعت ہے۔ عبادہ ؓ کی حدیث میں جو بیان ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سننے اوراطاعت کرنے پر بیعت کی ،تووہ حاکم کےطور پر بیعت تھی۔ اورعبداللہ بن ھشام کی حدیث کے مطابق آپ ﷺ نے ان کے نابالغ ہونے کی وجہ سے ان کی بیعت لینے سے انکارکیا۔ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ حکومت کی بیعت تھی۔ ابو ہریرہ ؓ کی حدیث امام کی بیعت کے بارے میں نہایت واضح ہےاوراس میں امام کا لفظ بطورِنکرہ استعمال ہواہے یعنی کوئی بھی امام۔ اس کےعلاوہ بھی کئی احادیث ہیں جوامام (خلیفہ) کی بیعت پردلالت کرتی ہیں۔ صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمرو ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

(وَمَنْ بَایَعَ اِمَامًا فَاَعْطَاہُ صَفْقَۃَ یَدِہٖ وَثَمَرَۃَ قَلْبِہٖ ' فَلْیُطِعْہُ اِن استَطَاعَ ' فَاِنْ جَآءَ آخَرُ یُنَازِعُہُ فَاضرِبُوا عُنُقَ الآخَرِ)

''اور جو شخص امام (خلیفہ) کی بیعت کرے تو اسے اپنے ہاتھ کا معاملہ اور دل کا پھل دے دے (یعنی سب کچھ اس کے حوالہ کر دے)، پھر اسے چاہیے کہ وہ حسبِ استطاعت اس کی اطاعت بھی کرے۔ اگر کوئی دوسرا شخص آئے اور پہلے خلیفہ سے تنازع کرے تو دوسرے کی گردن اڑا دو۔''

اور مسلم ہی میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(اِذَا بُوِيعَ لِلْخَلِيفَتَيْنِ' فَاقْتُلُو االْاٰخرَ مِنْهُمَا)

''جب دو خلفاء کے لیے بیعت کی جائے تو ان میں سے دوسرے کو قتل کر دو۔''

اور مسلم نے ابو حازم سے بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں پانچ سال تک ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس رہا، میں نے سنا کہ وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے تھے کہ:

(كَانَتْ بَنُوْ اِسرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الانَبِيَاءُ ' كُلَّمَاهَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ' وَاِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعدِی ' وَسَتَكُونُ خُلَفَاءُ فَتكثُرُ ' قَالُوا: فَمَا تَأمُرُنَا؟ قَالَ: فُوْا بِبَيْعَةِ الاوَّلِ فَالاوَّلِ)

''بنی اسرائیل کی سیاست انبیاء کرتے تھے۔ جب کوئی نبی وفات پاتا تو دوسرا نبی اس کی جگہ لے لیتا، جبکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے، بلکہ بڑی کثرت سے خلفاء ہوں گے۔ صحابہ نے پوچھا: آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم ایک کے بعد دوسرے کی بیعت کو پورا کرو۔''

کتاب وسنت کے دلائل اس بارے میں نہایت واضح ہیں کہ خلیفہ کو مقرر کرنے کا طریقہ صرف بیعت ہے۔ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس بات کو سمجھا اور اس پر چلتے رہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سقیفہ بنوساعدہ میں بیعتِ خاصہ (بیعتِ انعقاد) کی گئی اور مسجد نبوی میں بیعتِ عامہ (بیعتِ اطاعت) کی گئی۔ پھر ان لوگوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی جنہوں نے مسجد میں بیعت نہیں کی تھی اور ان کی بیعت معتبر سمجھی جاتی تھی، مثلاً علی رضی اللہ عنہ۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد مسلمانوں نے عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کی بیعت کی۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ بیعت ہی خلیفۃ المسلمین کو مقرر کرنے کا طریقہ ہے۔

جہاں تک بیعت کی عملی تفصیل کا تعلق ہے تو وہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد فوراً بننے

والے چاروں خلفاء ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کے تقرر سے واضح ہوتی ہے۔ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی اس طریقہ کو تسلیم کیا اور اس کی تصدیق کی۔ اگر یہ طریقۂ کار شریعت کے مخالف ہوتا تو وہ ضرور اس سے انکار کر دیتے۔ کیونکہ اس کا تعلق ایک ایسی چیز سے ہے جس پر تمام مسلمانوں کے وجود اور اسلامی نظام کی بقاء کا دارومدار ہے۔ ان خلفاء کے تقرر میں جو کچھ ہوا اس پر غور کرنے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ سقیفہ بنوساعدہ میں بعض مسلمانوں نے بحث و تمحیص کی اور سعد، ابوعبیدہ، عمر اور ابوبکر رضی اللہ عنہم کو نامزد کیا۔ لیکن آپس میں بات چیت اور بحث و مباحثہ کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی گئی۔ پھر دوسرے روز تمام مسلمانوں نے مسجد میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔ سقیفہ بنوساعدہ میں ہونے والی ''بیعتِ انعقاد'' تھی، جس کے نتیجے میں ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے۔ اور مسجد میں دی جانے والی بیعت ''بیعتِ اطاعت'' تھی۔ اسی طرح جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ محسوس کیا کہ ان کی بیماری مرض الموت ہے تو انہوں نے مسلمانوں کو بلایا تاکہ مشورہ کریں کہ مسلمانوں کا خلیفہ کون ہو؟ ان مشوروں میں رائے عمر رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں محدود رہی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس مشورے میں تین مہینے لگ گئے۔ جب یہ کام مکمل ہوا اور اکثریت کی رائے معلوم ہوگئی تو انہوں نے اعلان کیا کہ عمر رضی اللہ عنہ ان کے بعد خلیفہ ہوں گے۔ ان کی وفات کے بعد لوگ مسجد میں جمع ہوئے اور انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔ پس وہ اس بیعت کے نتیجے میں خلیفہ بنے، نہ کہ محض ان مشوروں سے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اعلان سے۔ پھر جب عمر رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے تو مسلمانوں نے ان سے مطالبہ کیا کہ وہ کسی کو خلیفہ بنا دیں، لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ بالآخر مسلمانوں کے اصرار پر انہوں نے چھ مسلمانوں کے نام لیے۔ ان کی وفات کے بعد ان چھ افراد نے اپنے میں سے عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو اپنا نمائندہ مقرر کیا۔ انہوں نے رائے اور مشورے کے لیے مسلمانوں کی طرف رجوع کیا۔ بالآخر عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کا اعلان کیا گیا اور اس کے بعد مسلمانوں نے ان کی بیعت کی۔ یوں مسلمانوں کی بیعت سے عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بن گئے، نہ کہ عمر رضی اللہ عنہ کی نامزدگی سے اور نہ ہی عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے اعلان سے۔ پھر جب عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے تو مدینہ اور کوفہ کے مسلمانوں کی اکثریت نے علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔ لٰہذا وہ مسلمانوں کی بیعت سے خلیفہ بنے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ خلافت کی بیعت کی عملی تفصیلات یہ ہیں کہ مسلمان آپس میں اس بات

پر تبادلۂ خیال کریں کہ کون سا شخص خلافت کے لائق ہے۔ یہاں تک کہ چند افراد کے بارے میں رائے سامنے آئے اور ان کے نام مسلمانوں کے سامنے پیش کر دیے جائیں۔ پھر جسے وہ منتخب کر لیں تو تمام مسلمانوں سے اس کی بیعت کا مطالبہ کیا جائے۔ پھر یہی مطالبہ خلافت کے بقیہ امیدواروں سے بھی کیا جائے (جو خلیفہ منتخب نہ ہو سکے تھے)۔ جیسا کہ سقیفہ بنو ساعدہ میں سعد، ابو عبیدہ، عمر اور ابو بکر رضی اللہ عنہم کے بارے میں بحث ہوئی۔ آخر کار ابو بکر کی بیعت کی گئی اور ان کی اس بیعت کو صرف نامزدگی کی حیثیت حاصل تھی اور وہ تمام مسلمانوں پر لازم نہ تھی۔ جب تک کہ عام مسلمانوں کی طرف سے ان کے لیے بیعت نہ لی گئی ہو۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں مسلمانوں کے ساتھ تبادلۂ خیال کیا اور پھر عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں اعلان کیا۔ اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی گئی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے چھ صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان معاملے کو رکھا اور مسلمانوں کی طرف رجوع کرنے کے بعد عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کے نام کا اعلان کیا اور پھر ان کی بیعت کی گئی۔ ان کی شہادت کے فوراً بعد مسلمانوں نے براہِ راست علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔ کیونکہ اس وقت فتنے کی صورت تھی اور یہ بات بالکل واضح تھی کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت مسلمانوں کی رائے میں خلافت کے لیے کوئی دوسرا شخص علی رضی اللہ عنہ کے برابر اہلیت نہیں رکھتا تھا۔ معلوم ہوا کہ بیعت کا طریقۂ کار یہ ہے کہ نامزد شدہ لوگوں میں سے غور و فکر کے بعد مناسب امیدوار متعیّن کیے جائیں۔ پھر ان میں سے خلیفہ کا انتخاب کر لیا جائے اور پھر لوگوں سے اس کے حق میں بیعت لے لی جائے۔ اگرچہ یہ بات ابو بکرؓ کے مشوروں میں بھی واضح ہے لیکن عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت میں یہ بات خوب واضح ہوتی ہے۔ بخاری نے زہری سے روایت کیا ہے کہ حمید بن عبدالرحمٰن نے انہیں بتایا کہ مِسوَر بن مخرمہ نے ان سے بیان کیا:

''عمر رضی اللہ عنہ کے نامزد کردہ اراکین اکٹھے ہوئے اور آپس میں مشورہ کیا تو عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: میں تمہارے ساتھ اس معاملے میں مقابلہ کرنے والا نہیں ہوں۔ اگر تم چاہو تو میں تم میں سے کسی ایک کو تمہارے لیے منتخب کر سکتا ہوں۔ سو انہوں نے یہ معاملہ اُن کے سپرد کیا۔ جب انہوں نے

یہ ذمہ داری عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو سونپی تو عام لوگ بھی ان کی طرف رخ کرنے لگے۔ حتیٰ کہ یہ حالت ہوگئی کہ میں نے لوگوں میں سے کسی کو بھی اس گروہ (یعنی اہلِ مشورہ کے بقیہ اراکین) کی طرف جاتے ہوئے نہیں دیکھا، اور نہ کسی نے ان کی طرف قدم بڑھایا۔ لوگوں نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا رخ کیا اور راتوں میں انہیں مشورے دیتے رہے، حتیٰ کہ وہ رات آئی جس کی صبح ہم نے عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔ مِسوَرؓ کہتے ہیں کہ رات کا کچھ حصہ ہی گزرا تھا کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ میرا دروازہ کھٹکھٹانے لگے، حتی کہ میں بیدار ہوگیا۔ انہوں نے مجھ سے کہا: ''عجیب بات ہے تم سو رہے ہو، اللہ کی قسم! میں آج کی رات کوئی زیادہ دیر نہیں سویا ہوں۔ جاؤ! زبیر اور سعد کو بلاؤ۔ میں انہیں بلالایا۔ انہوں نے اِن سے مشورہ لیا، پھر مجھے بلایا اور کہا: علی رضی اللہ عنہ کو میرے پاس بلاؤ۔ میں نے انہیں بھی بلالیا۔ وہ اِن سے رات ڈھلنے تک سرگوشی میں باتیں کرتے رہے۔ پھر علی کچھ توقعات کے ساتھ ان کے پاس سے اٹھ کر چلے گئے۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے کچھ خدشہ محسوس کرتے رہے۔ پھر انہوں نے مجھے عثمان رضی اللہ عنہ کو بلانے کے لیے کہا۔ میں نے انہیں بلالیا تو وہ اُن سے سرگوشی میں گفتگو کرتے رہے، حتی کہ صبح کی اذان کے ساتھ ہی یہ ملاقات ختم ہوگئی۔ پھر انہوں نے نمازِ فجر کی امامت کی اور ان چھ افراد کے گروہ کو منبر کے گرد جمع کیا۔ انہوں نے مہاجرین وانصار میں سے موجود افراد کو بلا بھیجا اور ان سپہ سالاروں کو بھی، جنہوں نے اس سال عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کیا تھا۔ جب وہ سب لوگ جمع ہوگئے تو عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے حمد وثناء اور صلاۃ وسلام کے بعد کہا: اے علی! میں نے لوگوں کے معاملے میں غور کیا تو دیکھا کہ وہ عثمان کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے۔ لٰہذا آپ اپنے لیے کوئی راستہ اختیار نہ کیجیے۔ اس کے بعد عثمان کا ہاتھ پکڑ کر کہا: اللہ، اس کے رسول اور ان کے بعد دونوں خلفاء کی سنت پر میں آپ کی بیعت کرتا ہوں۔ چنانچہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، پھر مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم اور تمام مسلمانوں نے ان کی بیعت کی۔''

پس خلافت کے امیدواروں کی تعداد عمر رضی اللہ عنہ کے نامزد کردہ افراد تک محدود کردی گئی، جب لوگوں نے عمر رضی اللہ عنہ سے اس کام کا مطالبہ کیا۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے خلافت سے دستبرداری کے بعد مسلمانوں سے رائے طلب کی کہ ان کا خلیفہ کون ہو؟ پھر لوگوں سے مشورے کے بعد اُس شخص کے

نام کا اعلان کیا گیا جسے مسلمان خلیفہ بنانا چاہتے تھے۔ مسلمانوں کے منتخب کردہ شخص کے نام کے اعلان کے بعد اس کے لیے بیعت لی گئی اور اس بیعت کے ذریعے وہ خلیفہ بنا۔ اس سے ثابت ہوا کہ خلیفہ مقرر کرنے کا شرعی حکم (طریقہ) یہ ہے کہ وہ لوگ جو مسلمانوں کی اکثریت کی رائے کی نمائندگی کرتے ہیں ان کے سامنے امیدواران کی تعداد کی حد بندی (شارٹ لسٹنگ) کی جائے اور اس کے بعد ان کے نام مسلمانوں کے سامنے پیش کیے جائیں کہ وہ ان میں سے کسی ایک کو خلیفہ چن لیں، پھر یہ معلوم کیا جائے کہ مسلمانوں کی اکثریت کسے خلیفہ دیکھنا چاہتی ہے اور پھر تمام مسلمانوں سے اس کی بیعت لی جائے۔ ان لوگوں سے بھی، جن کی رائے اس کے حق میں نہیں تھی۔ عمر کا خاص چھ افراد کا تعیّن کرنا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس پر خاموش رہنا، امیدواران کی شارٹ لسٹنگ کے جواز پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع (اجماعِ سکوتی) تھا۔ لہٰذا مندرجہ بالا نکات خلیفہ کے تقرر سے متعلق شرعی احکامات کے بارے میں بالکل صریح اور واضح ہیں۔

اب دو مسائل باقی رہ گئے:

(الف) وہ کون سے مسلمان ہیں جو خلیفہ کا انتخاب کریں گے؟ کیا وہ اہلِ حل وعقد ہیں یا مسلمانوں کی ایک مخصوص تعداد؟

(ب) موجودہ دور میں انتخاب کے لیے خفیہ میٹنگ، بیلٹ باکس اور ووٹوں کی گنتی جیسے طریقے رائج ہیں۔ کیا ان اعمال کی اسلام اجازت دیتا ہے یا نہیں؟

جہاں تک پہلے مسئلہ کا تعلق ہے تو شارع نے (خلیفہ کے انتخاب کا) اختیار امت کو دیا ہے۔ اور خلیفہ کے تقرر کا حق اور ذمہ داری تمام مسلمانوں پر ہے، نہ کہ کسی ایک جماعت یا گروہ پر۔ کیونکہ بیعت تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ حدیث میں ہے:

(وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِيْ عُنُقِهِ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً)

''اور جو کوئی اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں خلیفہ کی بیعت (کا طوق) نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔''

یہ حکم تمام مسلمانوں کے لیے عام ہے۔ اس لیے باقی مسلمانوں کو نظر انداز کر کے صرف اہلِ حل وعقد کو خلیفہ کے تقرر کا کوئی حق حاصل نہیں۔ اور نہ یہ حق چند لوگوں کو حاصل ہے۔ یہ حق بلا استثناء تمام مسلمانوں کا ہے، حتیٰ کہ فاجر (گنہگار) اور منافق بھی اس میں شامل ہیں۔ بشرطیکہ وہ بالغ مسلمان ہوں۔ کیونکہ تمام نصوص (قرآن وسنت کے تمام دلائل) عام ہیں۔ ان میں غیر بالغ بچے کی بیعت کو رد کرنے کے علاوہ کسی اور شخص کی تخصیص نہیں کی گئی۔ لہٰذا یہ احکامات عام ہیں۔

البتہ شرعاً یہ لازم نہیں کہ تمام مسلمان اس حق کو استعمال بھی کریں، اس بناء پر کہ یہ ان کا حق ہے۔ اگر چہ خلیفہ کا تقرر فرض ہے اس لیے کہ بیعت فرض ہے، لیکن یہ فرضِ کفایہ ہے، فرضِ عین نہیں۔ جب بعض لوگ خلیفہ کا تقرر کر لیں تو باقی لوگوں سے یہ فرض ساقط ہو جاتا ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ تمام مسلمانوں کے لیے خلیفہ کے انتخاب کے حق کو استعمال کرنا ممکن بنایا جائے، قطع نظر یہ کہ وہ یہ حق استعمال کرتے بھی ہیں یا نہیں۔ یعنی یہ ضروری ہے کہ ہر مسلمان کو خلیفہ کے انتخاب کے سلسلے میں مکمل اختیار ہونا چاہیے۔ گویا اصل مسئلہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو خلیفہ کے تقرر کے سلسلے میں موقع فراہم کیا جانا ضروری ہے، تاکہ وہ اللہ کی طرف سے عائد فرض کو ادا کر کے اپنی ذمہ داری پوری کر سکیں۔ یہ ضروری نہیں کہ تمام مسلمان عملاً بھی اس کام کو سرانجام دیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی رضامندی سے اپنے میں سے ایک خلیفہ کے مقرر کرنے کو فرض کیا ہے، نہ کہ تمام مسلمانوں کا اس عمل میں شامل ہونا۔

یہ شرط نہیں کہ خلیفہ کے تقرر کے لیے مسلمانوں کی کوئی مخصوص تعداد اپنا حق استعمال کرے۔ بلکہ جتنے لوگ بھی خلیفہ کی بیعت کر لیں اور اس بیعت میں مسلمانوں کی خاموش رضامندی حاصل ہو جائے یا وہ اس بیعت کی بناء پر اس کی اطاعت پر آمادہ ہو جائیں یا کوئی بھی ایسا عمل کریں جو ان کی رضامندی پر دلالت کرتا ہو، تو منتخب شخص تمام مسلمانوں کا خلیفہ ہوگا۔ اس خلیفہ کا قیام شرعی حیثیت رکھے گا، خواہ اسے پانچ افراد ہی مقرر کر لیں۔ لیکن تقرر کے اس عمل میں یہ گروہ (امت کی) اجتماعیت کی نمائندگی کرتا ہو، نیز اس تقرر میں مسلمانوں کی رضامندی بھی شامل ہو۔ یہ رضامندی ان کی

خاموشی، اطاعت پر آمادگی یا ایسی کسی بھی دوسری علامت کی صورت میں ہوسکتی ہے، بشرطیکہ ہر ایک کو مکمل اختیار اور اظہارِ رائے کا موقع حاصل ہو۔ مگر جب تک تمام مسلمانوں کی رضامندی حاصل نہ ہو اس وقت تک خلیفہ مقرر نہیں ہوسکتا۔ اور اس وقت تک جب تک کہ یہ کام ایسی جماعت نہ کرے جو مسلمانوں کی اکثریت کی نمائندہ ہو، خواہ اس جماعت کی تعداد کتنی ہی قلیل کیوں نہ ہو۔ اسی کے بارے میں بعض فقہاء کا قول ہے کہ اہلِ حل وعقد کی بیعت سے خلیفہ کا تقرر ہو جاتا ہے اور وہ اہلِ حل وعقد ہی کو جماعت قرار دیتے ہیں، کیونکہ اہلِ حل وعقد کی طرف سے شرائط پر پورا اترنے والے شخص کی بیعت تمام مسلمانوں کی رضامندی کو ظاہر کر دیتی ہے۔ لہٰذا اہلِ حل وعقد کی بیعت درحقیقت خلیفہ کا تقرر نہیں کرتی اور نہ تقرر شرعاً ان کی بیعت سے مشروط ہے۔ بلکہ اہلِ حل وعقد کی بیعت تو ان علامات میں سے ایک علامت ہے کہ مسلمان اس (شخص) کی بیعت پر رضامند ہیں۔ کیونکہ اہلِ حل وعقد ہی تمام مسلمانوں کے نمائندے تصور کئے جاتے ہیں۔ اور ہر وہ دلیل (علامت) خلیفہ کے تقرر کے لیے کافی ہے، جس سے اس بات کا اظہار ہوتا ہو کہ مسلمان اس خلیفہ کی بیعت پر راضی ہیں۔ چنانچہ اس علامت کی بدولت خلیفہ کا تقرر شرعی تصور کیا جائے گا۔

دراصل شرعی حکم (خلیفہ کے تقرر کا طریقہ) یہ ہے کہ کوئی بھی جماعت خلیفہ کا تقرر کرسکتی ہے، بشرطیکہ اس تقرر پر مسلمانوں کی رضامندی کی علامت ظاہر ہو جائے۔ یہ علامت مطلوبہ علامات میں سے کوئی بھی ہوسکتی ہے۔ خواہ یہ اہلِ حل وعقد کی اکثریت کی بیعت ہو یا مسلمانوں کے نمائندگان کی اکثریت کی بیعت یا مسلمان کسی جماعت کی طرف سے خلیفہ کی بیعت پر خاموش رہیں یا وہ اس بیعت کی بناء پر رضامندی کا اظہار کر دیں۔ الغرض ان کی رضامندی کی علامت کچھ بھی ہو، لیکن شرط یہ ہے کہ انہیں اپنی رائے کے اظہار میں مکمل اختیار دیا جائے۔ شرعی حکم یہ نہیں کہ وہ اہلِ حل وعقد ہی ہوں یا ان کی تعداد چار یا چار سو یا اس سے زیادہ یا کم ہو یا وہ دارالخلافہ سے تعلق رکھتے ہوں یا صوبوں کے رہنے والے ہوں۔ بلکہ شرعی حکم یہ ہے کہ ان کی بیعت سے مسلمانوں کی اکثریت کی رضامندی حاصل ہو جائے۔ خواہ اس کی علامت کوئی بھی ہو، بشرطیکہ ان مسلمانوں کو اپنی رائے کے اظہار میں مکمل اختیار حاصل ہو۔

یہاں تمام مسلمانوں سے مراد وہ مسلمان ہیں، جو اسلامی خلافت کے زیرِ حکمرانی زندگی بسر کرتے ہیں یا اگر خلافت موجود نہ ہوتو وہ لوگ جن کے ذریعے اسلامی خلافت کا انعقاد ہوا اور انہوں نے خلافت کے قیام اور اس کے ذریعے اسلامی زندگی کے ازسرِ نو آغاز کے لیے جدوجہد کی۔ جو مسلمان اس کے علاوہ ہیں خلیفہ کی بیعت میں نہ ان کی بیعت شرط ہے اور نہ ان کی رضامندی۔ کیونکہ ان کی حقیقت یہ ہے کہ یا تو وہ خلافتِ اسلامیہ کی اتھارٹی سے باہر ہیں یا وہ دارالکفر میں رہتے ہیں اور ان کے لیے دارالاسلام کے ساتھ ملنا ممکن نہیں۔ ان دونوں کو''بیعتِ انعقاد'' کا حق حاصل نہیں۔ لیکن ان پر''بیعتِ اطاعت'' فرض ہے۔ یہ اس لیے کہ جو اسلامی اقتدار سے خارج ہیں، ان پر باغیوں کے حکم کا اطلاق ہوتا ہے۔ اور جو لوگ دارالکفر میں ہیں تو ان کے اوپر اسلامی اتھارٹی اس وقت تک ممکن نہیں، جب تک کہ وہ عملاً اسے قائم نہ کرلیں یا اس میں داخل نہ ہو جائیں۔ لٰہذا جن مسلمانوں کو ''بیعتِ انعقاد'' کا حق حاصل ہے اور جن کی رضامندی خلیفہ کے تقرر کے لیے شرعاً ضروری ہے یہ وہ مسلمان ہیں جن کے ذریعے اسلامی اقتدار عملاً قائم ہوا ہو۔

یہ کہنا صحیح نہیں کہ یہ عقلی بحث ہے اور اس کے بارے میں کوئی شرعی دلیل موجود نہیں۔ کیونکہ یہ بحث مناطِ حکم (وہ حقیقت جس پر حکم کا اطلاق ہوتا ہے) کے بارے میں ہے، نہ کہ حکم کے بارے میں۔ لٰہذا شرعی دلیل پیش کرنے کے بجائے صرف اس موضوع کی حقیقت کی وضاحت کی ضرورت ہے۔ مثلاً مردار کھانا حرام ہے۔ یہ ایک شرعی حکم ہے اور اس بارے میں تحقیق کرنا کہ مردار کیا ہے، یہ مناطِ حکم ہے۔ یعنی وہ چیز جس کے بارے میں شرعی حکم وارد ہوا ہو۔ چنانچہ خلیفہ کا تقرر ایک شرعی حکم ہے اور اس طرح یہ بھی شرعی حکم ہے کہ خلیفہ کا انتخاب رضامندی اور اختیار سے ہونا چاہیے۔ یہی وہ چیز ہے جس کے لیے شرعی دلائل لائے جائیں گے۔ البتہ یہ کہ وہ کونسی کیفیت، حالت یا انداز ہے، جس سے رضامندی اور اختیار ثابت ہوتا ہے، تو یہ مناطِ حکم ہے۔ یعنی وہ موضوع کہ جس کے حل کے لیے وہ حکم وارد ہوا ہے۔ اس موضوع پر شرعی حکم کا پورا اترنا ہی حکمِ شرعی کو لاگو کرتا ہے۔ اس لیے اس چیز کی حقیقت سمجھنا نہایت ضروری ہے جس کے بارے میں وہ شرعی حکم نازل ہوا ہے۔

یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مناطِ حکم دراصل حکم کی علت ہے اور اس کے لیے شرعی دلیل ضروری ہے۔ یہ کہنا اس لیے غلط ہے کہ مناطِ حکم اور علتِ حکم باہم مختلف ہیں۔ علت اور مناط میں بہت زیادہ فرق ہے۔ علت کی وجہ سے حکم بھیجا گیا، یعنی وہ چیز، جو اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ اس حکم سے شارع کا مقصود کیا ہے۔ اور اس کے لیے شرعی دلیل کا ہونا ضروری ہے۔ تاکہ یہ معلوم کیا جاسکے کہ اس حکم سے شارع کا یہی مقصود ہے یا کچھ اور؟ جبکہ مناطِ حکم وہ چیز ہے جس کے متعلق حکم نازل ہوا ہو۔ یعنی وہ مسئلہ، جس پر وہ حکم جاری کیا جائے۔ نہ یہ حکم کی دلیل ہے اور نہ علت کی۔ کسی چیز کے مناطِ حکم ہونے سے مراد وہ موضوع ہے، جس کے ساتھ یہ حکم متصل (منسلک) ہو۔ یعنی حکم اس کے لیے بحیثیتِ حل آیا ہے، نہ کہ اسے (مناط کو) اپنا مقصد بنانے کے لیے، کہ ہم اسے علت کہہ سکیں۔ پس مناط، حکم کا غیر نقلی پہلو ہے (جو وحی میں موجود نہیں) اور اس کی تحقیق علت کی تحقیق سے مختلف ہے۔ کیونکہ علت کی تحقیق کے لیے تو اُس نص (قرآن وسنت کے الفاظ) کے مفہوم کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، جس میں علت بیان کی گئی ہے، اور یہ نقلیات (قرآن وسنت) کا فہم ہے نہ کہ مناطِ حکم کا فہم۔ بلکہ مناط وہ ہے جو نقلیات میں سے نہیں، اور اس سے مراد وہ اَمرِ واقع (موضوع یا حقیقت) ہے، جس پر یہ شرعی حکم جاری ہوتا ہے۔ مثلاً اگر آپ کہیں کہ خمر (شراب) حرام ہے تو اس قول میں شرعی حکم خمر کی حرمت کا ہے۔ اب کسی خاص مشروب کا خمر (نشہ آور) ہونا یا نہ ہونا، مناطِ حکم کی تحقیق ہے، جس کے نتیجے میں اس مشروب پر حلت یا حرمت کا حکم جاری کیا جاسکے۔ پس ضروری ہے کہ کسی مشروب کو حرام کہنے کے لیے یہ تحقیق کی جائے کہ وہ نشہ آور ہے یا نہیں۔ لہٰذا مشروب میں خمر کی موجودگی کے بارے میں تحقیق دراصل مناط کی تحقیق ہے۔ اسی طرح جب آپ کہیں کہ جس پانی سے وضو جائز ہے، وہ مائے مطلق ہے، تو اس میں شرعی حکم یہ ہے کہ مائے مطلق سے وضو جائز ہے۔ لیکن کسی ''ماء'' (پانی) کے مطلق ہونے یا غیر مطلق ہونے کے بارے میں تحقیق ضروری ہے، تاکہ اس پر حکم لگایا جاسکے کہ اس پانی سے وضو جائز ہے یا نہیں۔ پانی کی حقیقت کے بارے میں یہ تحقیق دراصل تحقیقِ مناط ہے۔ اسی طرح جب آپ کہیں کہ جس شخص کو حدث ہو اس پر نماز کے لیے وضو ضروری ہے (کیونکہ وہ نماز کی شرط ہے) تو اس میں کسی شخص کے مُحدِث ہونے یا نہ ہونے کی تحقیق دراصل تحقیقِ مناط ہے۔ اسی طرح کئی اور

مثالیں بھی ہوسکتی ہیں۔ شاطبی نے اپنی کتاب ''موافقات فی اصول الفقہ'' میں کہا ہے کہ:''یہ اور اس طرح کے دیگر موضوعات، جو مناط کے تعیّن کا تقاضا کرتے ہیں، ان سب کے لیے حقیقت کی مناسبت سے الگ الگ ثبوت کا ہونا ضروری ہے۔'' اور دوسری جگہ کہتے ہیں:''اجتہاد مناط کی تحقیق کے ساتھ منسلک ہوتا ہے۔ مناط کی تحقیق میں شارع کے مقصد کا علم ہونا درکار نہیں اور اسی طرح عربی زبان کا علم بھی تحقیقِ مناط کے لیے ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ اجتہاد میں یہ بھی مقصود ہے کہ اس حکم کے موضوع کی حقیقت معلوم کی جائے۔ اس سلسلے میں اس چیز کے علم کی ضرورت ہوگی جس کے بغیر اس موضوع کی تحقیق نہ ہوسکے۔ اس لیے ضروری ہے کہ مجتہد اس موضوع کی معرفت رکھتا ہو اور اس سلسلے میں پوری جدوجہد (کوشش) بھی کرے، تاکہ شرعی حکم اس تحقیق کے مطابق لگایا جاسکے۔''

علت کی تحقیق میں اس نص (قرآن وحدیث کے الفاظ) کے فہم کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے جس میں علت بیان کی گئی ہو، اور یہ نقلیات (قرآن وسنت) کا فہم ہے، مناط کا نہیں۔ بلکہ مناط تو وہ ہے جو نقلیات کے علاوہ ہے۔ اس سے مراد وہ موضوع یا واقعہ ہے جس پر شرعی حکم جاری ہوتا ہے۔ اگر آپ کہیں کہ خمر (شراب) حرام ہے تو کسی چیز کا خمر (نشہ آور) ہونا یا نہ ہونا تحقیقِ مناط ہے 'اور جب مائے مطلق سے وضو جائز ہے تو کسی پانی کا مطلق ہونا یا نہ ہونا تحقیقِ مناط ہے۔ اور کہا جائے کہ محدث پر وضو فرض ہے تو اب کسی شخص کا محدث ہونا یا نہ ہونا، یہ تحقیقِ مناط ہے۔ تو تحقیق مناط اس چیز کی تحقیق ہے جو چیز پر حکم لگایا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ جو مناط کی تحقیق کرتا ہے، اس کے لیے مجتہد یا مسلمان ہونا شرط نہیں، بلکہ اتنا ہی کافی ہے کہ اُسے اس چیز کے بارے میں علم ہو۔ پس معلوم ہوا کہ اُن مسلمانوں کے بارے میں بحث کہ جن کی بیعت رضامندی پر دلالت کرتی ہے، یہ بحث تحقیقِ مناط سے تعلق رکھتی ہے۔

یہ بحث تو پہلے مسئلہ کے بارے میں تھی، جہاں تک دوسرے مسئلہ کا تعلق ہے، تو وہ یہ ہے کہ آج کل خفیہ رائے دہی، بیلٹ باکس، ووٹوں کی گنتی اور ان جیسے دیگر اعمال، رضامندی کے ساتھ انتخاب کو سرانجام دینے کے اسالیب ہیں یا نہیں ہیں؟ دراصل یہ نہ تو شرعی حکم کے زمرے میں آتے

ہیں اور نہ ہی مناطِ حکم کے ضمن میں۔ کیونکہ یہ اسالیب براہِ راست بندوں کے افعال میں سے نہیں اور نہ یہ وہ حقیقت ہیں کہ جس پر حکمِ شرعی کا انطباق کرنا مقصود ہو۔ بلکہ یہ تو اس بندے کے فعل کی ادائیگی کے وسائل ہیں، کہ جس کے لیے حکم شرعی آیا۔ یعنی جس کے متعلق شارع کا خطاب وارد ہوا۔ اور (خلیفہ کی تقرر کے سلسلے میں) وہ خطاب یہ ہے کہ مکمل اظہارِ رائے کے ماحول میں مسلمانوں کی رضامندی کے ساتھ خلیفہ مقرر کیا جائے۔ اس لیے یہ اسالیب اور وسائل ان احکامات میں سے نہیں، جن کے لیے شرع سے دلائل تلاش کیے جائیں۔ بلکہ یہ ان اشیاء میں شامل ہیں کہ جن کے جائز ہونے کے بارے میں نصِ عام وارد ہوئی ہے۔ ان کی حرمت پر کوئی مخصوص دلیل نہیں، اس لیے یہ مباح ہیں۔ مسلمانوں کے لیے جائز ہے کہ وہ انہیں یا ان کے علاوہ کوئی اور اسلوب اختیار کریں، جو خلیفہ کے تقرر کی ادائیگی میں معاون ثابت ہوتے ہوں، بشرطیکہ اس کی حرمت کی کوئی دلیل موجود نہ ہو۔

یہ کہنا درست نہیں کہ اسلوب بندے کا فعل ہے اور صرف شرعی حکم کے مطابق ہی اسے اختیار کیا جاسکتا ہے، لہٰذا اس کے لیے دلیل ضروری ہے۔ کیونکہ بندے کے وہ افعال، جن کا شرعی حکم کے مطابق ہونا ضروری ہے اور ان کے بارے میں شرعی دلیل کا وجود بھی ضروری ہے، یہ وہ افعال ہیں جو فعلِ اصلی ہیں، یا کسی فعلِ اصلی کی فروعات (ضمنی افعال) ہیں۔ نیز اس فعلِ اصلی کی دلیل خاص ہو، دلیلِ عام نہ ہو۔ مثلاً نماز، جسے قائم کرنے کے لیے دلیلِ خاص وارد ہوئی ہے اور وہ نماز میں شامل تمام افعال پر مشتمل نہیں، (لہٰذا اس کے ہر فعل کے لیے دلیل کی ضرورت ہے)۔ البتہ اگر کسی فعلِ اصلی کی دلیل عام ہو تو وہ عام دلیل اس فعل کی تمام فروعات پر بھی جاری ہوگی۔ ایسے فعل کو، جو کسی (حلال) فعلِ اصلی کی فرع ہو، حرام قرار دینے کے لیے حرمت کی دلیل کی ضرورت پڑتی ہے، تاکہ وہ اپنے اصل کے حکم سے نکل کر نئے حکم میں آجائے اور یہی معاملہ تمام اسالیب کے ساتھ ہے۔

انتخابات کے مسئلے میں فعلِ اصلی رضامندی اور اختیار کے ساتھ خلیفہ کا تقرر کرنا ہے۔ اور جو افعال اس اصلی فعل کے ضمن میں آتے ہیں، جیسے ووٹنگ، بیلٹ باکس کا استعمال، ووٹوں کی گنتی وغیرہ، تو یہ سب افعال اصلی کے حکم کے تحت آئیں گے اور ان کے لیے کسی دوسری دلیل کی ضرورت

نہیں۔ البتہ اصل کے حکم سے خارج کرنے، یعنی انہیں حرام قرار دینے کے لیے کسی دلیل کی ضرورت ہوگی۔ تمام اسالیب بندوں کے افعال ہیں اور اسی حکم کے زمرے میں آتے ہیں۔ جہاں تک وسائل کا تعلق ہے تو یہ ذرائع ہیں، مثلاً باکس، جس میں پرچیاں ڈالی جاتی ہیں، تو ان پر اشیاء کے حکم کا اطلاق ہوگا نہ کہ افعال کا۔ اور ان پر یہ قاعدہ لاگو ہوگا: ''تمام اشیاء کے بارے میں اصل اباحت ہے جب تک حرمت کی کوئی دلیل وارد نہ ہوئی ہو۔'' طریقہ اور اسلوب میں فرق ہے۔ کہ طریقہ وہ فعل ہے، جو اصل ہے، یا ایسے اصل کی فرع ہے، جس کی دلیل عام نہ ہو، بلکہ خاص ہو۔ اسلوب ایسا فعل ہے جو ایسے اصل کی فرع ہو، جس کی دلیل عام ہو۔ چنانچہ طریقے کو شرعی دلیل سے ثابت ہونا چاہیے کیونکہ وہ شرعی حکم ہے۔ اسی لیے یہ بھی لازم ہے کہ اس کی سختی سے پابندی کی جائے اور جب تک اس میں اباحت کا حکم نہ ہو، اس وقت تک اس میں مسلمانوں کو (اپنی مرضی سے کرنے یا نہ کرنے کا) کوئی اختیار حاصل نہیں۔ جبکہ اسلوب کا شرعی دلیل سے ثابت ہونا لازمی نہیں، اور اس پر وہی حکم لاگو ہوگا جو اس کی اصل کا ہے۔ اسی لیے کسی خاص اسلوب کو سختی سے اختیار کرنا واجب نہیں، چاہے یہ ایسا اسلوب ہو کہ جسے رسول اللہ ﷺ نے بھی اختیار کیا ہو۔ بلکہ مسلمان کے لیے ہر اُس اسلوب کو اختیار کرنا جائز ہے جو مطلوبہ عمل کی ادائیگی کا ذریعہ بنے۔ یوں وہ اسلوب اس مطلوبہ عمل کی فرع قرار پاتا ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ اعمال کی نوعیت ہی اسلوب کا تعین کرتی ہے۔

خلیفہ کی سبکدوشی

خلیفہ اس وقت معزول ہوجاتا ہے جب اس کی حالت میں ایسی تبدیلی آ جائے، جو اُسے خلافت سے باہر کردے۔ خلیفہ کو معزول کرنا اس وقت بھی واجب ہوجاتا ہے جب اس کی حالت میں کوئی ایسی تبدیلی آئے جو اسے خلافت کے دائرے سے تو باہر نہ نکالتی ہو، لیکن شرعاً اس کا اس عہدے پر برقرار رہنا ناجائز ہوجائے۔ ان دو حالات، یعنی وہ حالت کہ خلیفہ کو خلافت کے دائرے سے باہر کرے، اور وہ حالت، جس میں اسے معزول کرنا واجب ہو، ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ خلیفہ کی حالت میں پہلی قسم کی تبدیلی اسے خلافت کے دائرے سے خودبخود باہر نکال دیتی ہے۔ اب اس کی اطاعت واجب نہیں رہتی۔ جبکہ دوسری تبدیلی، جس میں اس کی سبکدوشی فرض ہوجاتی ہے، اس کی اطاعت اس وقت تک فرض رہے گی جب تک عملاً اسے معزول نہیں کیا جائے گا۔ اس کی حالت میں جو تبدیلی اسے خودبخود خلافت کی اہلیت سے باہر نکال دیتی ہے، وہ تین امور پر مشتمل ہے:

(1) جب وہ اسلام سے مرتد ہوجائے اور اس ارتداد پر اصرار بھی کرے۔

(2) جب وہ مکمل طور پر مجنون ہوجائے اور صحت یاب نہ ہوسکے۔

(3) وہ کسی ایسے زبردست دشمن کے ہاتھوں قید ہوجائے کہ نہ اس سے نجات پانے کی طاقت رکھتا ہو اور نہ قید سے آزادی کی کوئی امید ہو۔

یہ تین صورتیں ہیں جو اسے خلافت سے نکال دیتی ہیں اور وہ فوراً معزول ہوجاتا ہے، خواہ اس کی سبکدوشی کے بارے میں فیصلہ بھی نہ کیا گیا ہو۔ اب اس کی اطاعت بھی فرض نہیں رہتی اور نہ ان

لوگوں پر اس کے احکامات کو بجالانا فرض ہوتا ہے، جن کے پاس ان تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت کا ثبوت موجود ہو۔ البتہ یہ ثابت کرنا ضروری ہے کہ ان میں سے کوئی ایک صورت رونما ہوئی ہو، اور اسے ''محکمۃ المظالم،، کے سامنے ثابت کیا جائے، جو خلیفہ کی معزولی کا فیصلہ صادر کرتا ہے، تا کہ مسلمان کسی اور کو خلیفہ چن لیں۔

جس شخص کے حال میں ایسی تبدیلی ہو، جو اسے خود بخود خلافت سے تو نہ نکالے، لیکن اس کا خلیفہ رہنا جائز نہ رہے، تو وہ پانچ امور ہیں:

(1) اُس کے عدل کی صفت مجروح ہو، یعنی وہ کھلم کھلا فسق کرنے لگے۔

(2) وہ مؤنث یا مخنث ہو جائے۔

(3) اُس پر پاگل پن کے ایسے دورے پڑیں کہ کبھی صحت یاب ہو اور کبھی دیوانہ۔ اس حالت میں اس کا نہ تو وصی (جس کے لیے اس نے وصیت کی ہو) مقرر کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی وکیل بنا سکتا ہے۔ کیونکہ خلافت کا عقد اس کی ذات سے متعلق ہے۔ لہٰذا کوئی شخص اس کا قائم مقام نہیں بن سکتا۔

(4) وہ کسی بھی وجہ سے خلافت کی ذمہ داری پوری کرنے کا اہل نہ رہے۔ خواہ جسمانی اعضاء میں سے کسی عضو میں نقصان کی وجہ سے ہو یا کسی موذی مرض کے باعث، جو فرائض کی ادائیگی سے اسے روکے اور شفایاب ہونے کی امید بھی نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر وہ بطورِ خلیفہ اپنے فرائض کی ادائیگی سے عاجز ہو جائے تو دین کے تمام امور اور مسلمانوں کے مفادات کو نقصان پہنچے گا، جو حرام ہے، اور جس کو ختم کرنا ضروری ہے۔ اس کو ختم کرنے کی یہی صورت ہے کہ اسے معزول کر کے دوسرا خلیفہ مقرر کیا جائے۔ لہٰذا اس حالت میں اس کی سبکدوشی فرض ہو جاتی ہے۔

(5) ایسی مجبوری یا رکاوٹ، جو اسے اپنی مرضی سے شریعت کے مطابق مسلمانوں کے امور کی دیکھ بھال سے روک دے۔ جب اس پر کوئی طاقت اس حد تک غالب آجائے کہ وہ شریعت کے احکامات کے مطابق اپنی آزاد رائے سے مسلمانوں کے امور کی دیکھ بھال نہ کر سکے، تو اس صورت میں وہ خلافت

کی ذمہ داری اٹھانے سے (حکماً) عاجز سمجھا جائے گا۔ اس لیے اب اسے معزول کرنا فرض ہوگا۔ یہ معاملہ دو صورتوں میں ہوسکتا ہے:

پہلی صورت: اس کے حاشیہ برداروں میں سے کوئی شخص یا کئی اشخاص اس پر اس طرح مسلط ہو جائیں کہ وہ جبراً اس سے اپنی رائے کے مطابق معاملات چلوائیں۔ اور وہ ان کی مخالفت کی اہلیت نہ رکھنے کی وجہ سے انہی کی رائے پر عمل کرنے پر مجبور ہو۔ اس صورت میں معاملے کا جائزہ لیا جائے گا۔ اگر مختصر مدت میں ان کے تسلط سے خلاصی پانے کی امید ہو، تو انہیں دور کرنے اور ان سے نجات پانے کے لیے اسے مختصر مدت دی جائے گی۔ اگر اس نے ایسا کر لیا تو رکاوٹ دور ہو جائے گی اور وہ عاجز نہ رہے گا۔ اگر ایسا نہ کرسکا تو اس کو معزول کرنا فرض ہوگا۔

دوسری صورت: وہ کسی قیدی کی طرح ہو جائے، یا ایسے دشمن کے تسلط اور اثر ورسوخ میں چلا جائے کہ دشمن جس طرح چاہے، ہدایات دے، اور مسلمانوں کے امور کی دیکھ بھال کرنے میں خلیفہ سے اس کا اختیار چھن جائے۔ اس صورت میں بھی جائزہ لیا جائے گا کہ اگر مختصر مدت میں اس سے چھٹکارا پانے کی امید ہو تو اسے مہلت دی جائے گی۔ اگر وہ نجات پانے میں کامیاب ہو گیا تو رکاوٹ دور ہو گئی اور وہ عاجز نہ رہا۔ اور اگر ایسا نہ ہوا تو اس کی سبکدوشی فرض ہے۔

ان پانچ صورتوں میں سے کسی بھی ایک صورت کا پایا جانا خلیفہ کی سبکدوشی کا سبب بنتا ہے۔ لیکن اسے ''محکمۃ المظالم،، کے سامنے ثابت کرنا ضروری ہے، جو اس کی خلافت کے خاتمے اور اس کی سبکدوشی کا فیصلہ صادر کرتا ہے۔ تاکہ مسلمان کسی اور کو تین دن کے اندر اندر اپنا خلیفہ مقرر کرلیں۔

خلافت کا نظام ایک منفرد نظام ہے

یہ بحث ،یعنی خلافت کی بحث ایک سیاسی بحث ہے۔ یہ حکومت کے اعلیٰ ترین درجے کے متعلق بحث ہے۔ اور جیسا کہ ظاہر ہے کہ یہ اس کے افکار کی بحث ہے۔ یہ ایک فاش غلطی ہوگی کہ ایک غیر مسلم قاری افکار کی صداقت کو حقیقت کے علاوہ کسی اور کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش کرے۔ اسی طرح مسلمان بھی انہیں صرف کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ ہی کے پیمانے سے جانچیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک فکر کی درستی کو کسی دوسری فکر سے نہیں جانچا جا سکتا، الّا یہ کہ وہ اسی فکر کی فرع ہو۔ اس (فکر) کو یا تو حقیقت کے ساتھ مطابقت کی بناء پر جانچا جا سکتا ہے، یا اس کی اصل کے ساتھ، جو حقیقت سے تصدیق شدہ ہو، موافقت کی بناء پر جانچا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ہم قاری کو خبردار کرنا چاہیں گے کہ ان افکار کو دقتِ نظر اور اُس حقیقت سے واقفیت کے ساتھ پڑھے، جو یہ (افکار) ظاہر کر رہے ہیں۔ جب وہ اسلامی دنیا کے طول وعرض اور دنیا کے بہت سے حصوں میں ''نظامِ حکومت'' میں مسائل اور پیچیدگیاں محسوس کرتا ہے تو بہتر ہے کہ اسے ''نظامِ حکومت'' کے یہ (اسلامی) افکار معلوم ہونے چاہییں۔ تاکہ اس کے مکمل ادراک کے بعد وہ دنیا میں حکومتی نظام کے بحران کے حل کو سمجھ سکے۔ یہ حل ہی بہترین علاج ہے اور انسانیت پر حکومت اور ان کے امور کی دیکھ بھال کے لیے اس سے بہتر کوئی علاج نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کوئی بھی قاری جب اس میں تدبر سے کام لے اور اپنے موضوع کو یہاں تک محدود رکھے کہ آیا یہ افکار کس حد تک حقیقت اور شرعی دلیل سے مطابقت رکھتے ہیں، تو وہ نتیجتاً یقین کر لے گا کہ اس نے لوگوں پر حکومت کرنے کا صحیح طریقہ پا لیا ہے۔

اس کتاب کے افکار کی صداقت کو جانچنے کے لیے جمہوریت کو معیار بنانا اور جمہوریت کے

افکار سے متأثر ہو کر ان کا مطالعہ کرنا نہایت غلط ہوگا۔ جمہوریت دنیا میں اس حد تک پھیل چکی ہے کہ اس کا نام تمام ریاستوں، افراد اور قوموں پر آئیڈیل نظام کی حیثیت سے چھا چکا ہے۔ مغربی ریاستوں کے اختیار کرنے کے بعد اہلِ مشرق نے بھی اسے اپنانا شروع کر دیا۔ حالانکہ اس کے معنی میں اختلاف ہے۔ مجموعی طور پر تمام مسلمان اس سے متاثر ہو چکے ہیں، چاہے ان کا تعلق اس گروہ سے ہو، جو خلافت کا مسلمانوں کے ذریعے قائم ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں، یا اُس گروہ سے، جو خلافت کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف منسوب کرتے ہیں (کہ خلیفہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے مقرر کردہ ہوتا ہے) اور اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ سب کے سب اپنی آراء کو جمہوریت یا اس کے چند افکار کے نام پر لوگوں تک پہنچا رہے ہیں۔ چنانچہ ہم دوبارہ خبردار کرتے ہیں کہ ان افکار کے مطالعے کے لیے بیرونی افکار خصوصاً جمہوریت کے افکار کو معیار نہ بنایا جائے۔ مثال کے طور پر بعض لوگوں کا ذکر کیا گیا، جنھوں نے حکومت کے بارے میں تحقیقات کیں، مختلف ممالک میں حکومت کا مشاہدہ کیا، اور تاریخ کو منطقی مفروضات کی بنیاد پر پڑھا، پھر حکومتوں کے بارے میں لکھا: ''اگر حکومت عوام کی اکثریت کے حوالے کی جائے، تو اسے ''جمہوریت'' کہتے ہیں۔ اگر حکومت کسی محدود اور خاص طبقے کے ہاتھوں میں رہے تو اسے ''اِرسٹوکریسی'' کہیں گے۔ اگر حکومت ایک ہی شخص کے سپرد کی جائے، اور دوسرے لوگ اختیارات کے لیے اسی کی طرف رجوع کریں تو اسے ''بادشاہت'' کہا جائے گا۔'' اور حکومت سے وہ اختیار اور قانون سازی دونوں مراد لیتے ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اسی بنیاد پر حکمرانی کی تمام تر شکلیں ترتیب پاتی ہیں۔ اور اسی سے ریاستوں کی مختلف اقسام نکلی ہیں نیز ریاستی اتحادات اور مختلف طرز کی حکومتیں، انتخابات اور ووٹنگ پھوٹے ہیں۔

یہ تمام افکار حکمرانی کے غیر اسلامی افکار ہیں، اسلام اور ان کے درمیان بڑا فرق ہے، کیونکہ اسلام کا نظامِ حکومت نظامِ خلافت ہے۔ وہ ہر طرزِ حکومت سے ممتاز ہے۔ پس رعایا کے امور کی دیکھ بھال اور خارجی تعلقات سے متعلق معاملات میں شریعت ہی ہے، جسے نافذ کیا جاتا ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے ہے، نہ کہ لوگوں کی طرف سے۔ نہ یہ کچھ افراد کی جانب سے ہے اور نہ یہ ایک فرد کا معاملہ ہے۔ بلکہ ہر اس فرد کے لیے، جو اسلام پر ایمان رکھتا ہے، جو عربی زبان اور نصوصِ شرعیہ کو سمجھنے کی وجہ

سے اس شریعت کو سمجھتا ہے، اسے عربی زبان اور شرعی نصوص کی حدود جس فہم تک پہنچائیں، اسے اس پر عمل کرنے کا مطلق حق ہے۔ اور اس کی یہ رائے اس پر اور ہر اس شخص پر، جو اس کی رائے کو قبول کرے اور اسے اختیار کرے، شرعی حکم بن جاتا ہے۔ اگر وہ جج یا حکمران ہو تو اسے اس فہم کو لوگوں پر نافذ کرنے کا حق حاصل ہے۔ ماسوائے یہ کہ خلیفہ، جو اسلامی ریاست کا سربراہ ہوتا ہے، کوئی اسلامی رائے اختیار کر لے تو پھر خلیفہ کی اختیار کردہ رائے قانون بن جاتی ہے اور تمام رعایا پر اسی رائے کے مطابق عمل کرنا فرض ہو جاتا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ لوگوں کو اپنی آراء چھوڑنی پڑیں گی۔ اگرچہ ان پر فرض ہے کہ وہ قانون یعنی خلیفہ کی اختیار کردہ رائے کے مطابق عمل کریں اور اس قانون کی تابعداری کریں، لیکن انہیں اپنی آراء کے مطابق لوگوں کو اسلام کی تعلیم دینے اور ان کے مطابق اسلام کی طرف بلانے سے نہیں روکا جائے گا۔ لوگوں کو اس بنیاد کے مطابق غور و فکر کرنے کی اجازت ہے، جس پر اسلام قائم ہے، یعنی اسلامی عقیدہ۔ پس لوگوں کو قانونی اور غیر قانونی موضوعات کے بارے میں سوچنے کی اجازت ہے۔ جس طرح کہ انہیں کسی بھی چیز کے متعلق سوچنے کا حق حاصل ہے۔ مگر ایک شرط کے تحت، اور وہ یہ کہ تمام شرعی افکار لازماً عقیدے ہی سے پھوٹیں۔

یہ تو قانون سازی اور فکری پہلو کے بارے میں بحث تھی، لیکن جہاں تک حکومت کا تعلق ہے تو وہ قانون سازی سے مختلف ہے۔ اس کا مطلب سلطان (اختیار) ہے، نہ کہ ''نظامِ حکومت''۔ کیونکہ ''نظامِ حکومت''، تشریع (قانون سازی) سے متعلق ہے اور وہ شرعی احکامات ہیں۔ جبکہ جہاں تک اختیار و اتھارٹی کا تعلق ہے شریعت نے تمام مسلمانوں، یعنی امت کے مرد و زن کو اتھارٹی سونپی ہے، سو ہر مسلمان کا اتھارٹی میں حق ہے۔ اور ضرورت پڑنے پر وہ اس حق کو استعمال کر سکتا ہے۔ امت ''سلطہ'' (اختیار و اتھارٹی) میں حق حاصل ہونے کی بناء پر اللہ کی شریعت کو نافذ کرنے کے لیے اپنے اوپر ایک شخص کو مقرر کرتی ہے اور اسے کتاب و سنت پر بیعت دیتی ہے۔ وہ بیعت، کہ جس میں فریقین کی مرضی اور اختیار شامل ہوتا ہے۔ اس طرح ان کے درمیان خلافت کا عقد طے پاتا ہے، نہ کہ یہ عقد، عقدِ ملازمت ہوتا ہے۔ اگرچہ خلافت اِس امت اور انسانیت کے لیے رحمت ہے، لیکن خیال رہے کہ خلافت میں بنیادی چیز شریعت کا نفاذ ہے، امت کا مفاد نہیں۔ اگر بظاہر امت کا مفاد شریعت

کے خلاف بھی ہو تو صرف شریعت ہی نافذ کی جائے گی۔ چنانچہ اگر امت ایک شرعی حکم چھوڑنے کا مطالبہ کرے تو خلیفہ انہیں اس کی بجا آوری پر مجبور کرے گا۔ اگر امت شریعت کو چھوڑ دے تو خلیفہ پر ان سے قتال کرنا فرض ہوگا، یہاں تک کہ وہ شریعت کی طرف واپس آجائیں۔ کیونکہ خلیفہ کو صرف شریعت نافذ کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ اور امت کے پاس خلیفہ کو اپنی خواہش کے مطابق معزول کرنے کا کوئی حق نہیں، بلکہ اسے معزول کرنے کا حق صرف مخصوص حالتوں میں ہے۔ اور بعض مخصوص حالات میں وہ خود بخود معزول ہوجاتا ہے جس کے نتیجے میں پھر اسے ہٹا دیا جاتا ہے۔ اس سے صرف ایک حالت میں قتال کیا جاسکتا ہے اور وہ یہ کہ جب وہ کوئی غیر اسلامی حکم یا قانون نافذ کرنے کی کوشش کرے۔ اگرچہ خلیفہ کو امت نے مقرر کیا ہے، لیکن اس کا معاملہ امت کے ہاتھ میں نہیں، بلکہ شریعت کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن ''سلطہ'' (اختیار)، جو کہ امت کا حق ہے، خلیفہ کو مقرر کرنے کے ساتھ ختم نہیں ہوتا، بلکہ یہ ہمیشہ اس کے پاس رہتا ہے۔ امت خلیفہ کی موجودگی کی صورت میں اس حق کو اس طرح استعمال کرے گی کہ شریعت کے نفاذ اور امت کے امور کی دیکھ بھال نہ کرنے کی صورت میں خلیفہ کا محاسبہ کرتی رہے۔ اور اس کے لیے وہ مناسب طریقے اپنائے گی، جن کی شرع اجازت دے۔ خلیفہ کا امت کے احتساب کے آگے سر جھکانا فرض ہوگا اور اس صورتِ حال کو واضح کرنا ہوگا جس پر امت نے اعتراض کیا۔ حتّٰی کہ اگر امت اس وجہ سے اس کے خلاف ہتھیار اٹھالے تو اسے مدافعت میں جنگ کرنے کی بھی اجازت نہیں، جب تک کہ وہ امت کے شکوک رفع نہ کردے اور لوگوں کے سامنے اپنا مؤقف واضح نہ کردے۔

یہ ہے اسلام میں اقتدار کی حقیقت! اور اسی بنیاد پر نظامِ حکومت قائم ہے۔ یہ بنیاد ریاستوں کی دیگر فروعی اقسام کو جنم نہیں دیتی، بلکہ اس کی ایک ہی شکل ہے۔ یہ وحدت کا نظام ہے، مختلف اکائیوں کے اتحاد کا نہیں۔ یہ وحدت کے نظام کی حفاظت اور اتحاد کے نظام کو ختم کرنے کی جدوجہد کو فرض قرار دیتا ہے۔ اس میں حکومت کی متعدد اقسام نہیں۔ درحقیقت اس میں متعدد حکومتیں ہیں ہی نہیں، کیونکہ ریاست اور حکومت ایک ہی جسم ہے، جو خلیفہ اور اس کے معاونین پر مشتمل ہے۔ جہاں تک اس نظام کی فروعات کا تعلق ہے تو خلیفہ کے تقرر کا طریقہ، مسلمانوں کو اپنی مرضی اور اختیار سے

خلیفہ کو چننے اوراس سے بیعت لینے کے حق کی ضمانت، نیز امت کے ہر فرد کے لیے اس رضا واختیار کا حق فراہم کرنا، یہ سب کے سب شرعی احکام ہیں۔ ان میں سے کچھ احکام خلافت کے موضوع کے ساتھ خاص ہیں اور کچھ احکام تمام عقود کے لیے عام ہیں، بشمول خلافت کے عقد کے۔ ممکن ہے کہ خلافت کا نظام انتخاب کی آزادی، ووٹنگ اور رائے کے حق کے حوالے سے جمہوری نظام کے مشابہ محسوس ہو۔ مگر دونوں نظاموں کو مشابہ سمجھنا فاش غلطی ہوگی۔ کیونکہ جمہوری نظام میں یہ امور آزادیوں سے اخذ شدہ ہیں، جبکہ اسلام میں یہی امور خلافت کے معاہدے، نیز تمام معاہدوں کے لیے وارد شدہ شرائط سے اخذ کردہ ہیں۔ یعنی رضامندی اور اختیار، جو خلافت کے معاہدے میں پورا نہ ہو، تو معاہدہ باطل ہوگا اور خلیفہ شرعاً قائم متصور نہ ہوگا۔ انتخاب میں آزادی کو یقینی بنانے اور معاہدے میں رضامندی اور اختیار کو یقینی بنانے میں بڑا فرق ہے۔ کہ آزادی لوگوں کا فیصلہ ہے۔ اگر یہ حاصل نہ ہو تو یہ معاہدے کے قانونی ہونے پر اثر انداز نہیں ہوگا، لیکن رضامندی اور اختیار کی ضمانت معاہدہ کا شرعی حکم ہے، لوگوں کا فیصلہ نہیں۔ سو اگر یہ حاصل نہ ہوا تو معاہدہ باطل ہوگا اور معاہدہ شرعاً وقوع پذیر ہی نہ ہوگا۔ اس طرح اسلام کے تمام افکار جمہوریت کے افکار سے مختلف ہیں۔ لہٰذا جب (اقتدار کے حوالے سے) اسلامی افکار کا مطالعہ کیا جائے تو اسے بحیثیت ایک نظامِ حکم کے لیا جانا چاہئے، جو تمام نظاموں سے منفرد ہے۔ اس نقطہ کو ذہن میں رکھتے ہوئے، کہ یہ حکمرانی کی حقیقت سے کس قدر مطابقت رکھتا ہے، اور کسی بھی حکمرانی کے ساتھ نہیں، بلکہ ایک مخصوص حکمرانی کی حقیقت کے ساتھ، ایسی حکمرانی کہ جس میں انسان، اعلیٰ ترین اقدار کے ساتھ، انسانوں کی حقیقتِ بشریت کے مطابق حکومت کر سکتا ہے، یا شرعی دلائل کے لحاظ سے اس کا مطالعہ کریں، کہ جہاں سے یہ احکام اور افکار مستنبط کیے گئے ہیں۔

اس بنیاد پر ہم قاری سے یہ چاہتے ہیں کہ وہ اس سیاسی بحث کو مکمل طور پر ایک ایسے نظامِ حکومت کی بحث کے طور پر پڑھے، جو دوسرے نظاموں سے یکسر مختلف ہے اور ان افکار کی صحت جانچنے کے لئے ان دو معیاروں کے علاوہ اور کسی شے کو معیار نہ بنائے کہ کیا یہ افکار حکمرانی کی حقیقت کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں، اور دوم آیا کہ یہ افکار اُس بنیاد کے ساتھ موافقت رکھتے ہیں، جس سے ان کا استنباط کیا گیا ہے، یعنی کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ۔